دسمبر ۱۹۹۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

* اسلام کا انقلابی فکر اور اس سے انحراف کی راہیں
* اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید اور علامہ اقبال

ڈاکٹر اسرار احمد کا سلسلۂ مضامین

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

جنوبی پنجاب کے درج ذیل شہروں میں

داعی تحریک خلافت و امیر تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

کے ہفتہ وار درس قرآن مجید کے پروگرام بذریعہ ویڈیو کیسٹ باقاعدگی سے منعقد ہو رہے ہیں۔ ان اجتماعات میں شرکت کی عام دعوت ہے۔ معاونین تحریک خلافت خصوصاً ان اجتماعات میں باقاعدہ شرکت کا اہتمام کریں۔

مقام اجتماع	یوم	وقت
ملتان		
(i) ۲۵ر آفیسرز کالونی نزد چونگی نمبر ۹ ملتان	ہفتہ	بعد نماز مغرب
(ii) ۴۔ گلستان کالونی پرانا بہاولپور روڈ ملتان	پیر	بعد نماز مغرب
(iii) دفتر احمد کنکریٹ بسم اللہ چوک معصوم شاہ روڈ ملتان	اتوار	بعد نماز عشاء
شجاع آباد		
رہائش گاہ سید عاشق حسین چک سردار پور شجاع آباد	جمعہ	۳ بجے سہ پہر
وہاڑی		
الھدیٰ لائبریری ۱۸۔ ای کارخانہ بازار وہاڑی	اتوار	بعد نماز مغرب
صادق آباد		
نیشنل آئس فیکٹری صادق آباد	جمعہ	بعد نماز مغرب

المعلن: ناظم تحریک خلافت پاکستان۔ خلافت بلڈنگ ۴۔ اے مزنگ روڈ لاہور

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

جلد: ۴۱
شمارہ: ۱۲
جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ
دسمبر ۱۹۹۲ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا	۶ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ	۹ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ	۱۲ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعاتِ تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرض احوال ——— ۳
حافظ عاکف سعید
☆ تذکرہ تبصرہ ——— ۵
تشکر و امتنان
☆ الہدیٰ (قسط ۸۱) ——— ۱۰
اعرض عن الجاہلین کی پاداش: نفاق' سورۃ المنافقون کی روشنی میں (۴)
ڈاکٹر اسرار احمد
☆ بسلسلہ منہج انقلاب نبویؐ ——— ۱۷
ڈاکٹر اسرار احمد
اسلام کا انقلابی فکر اور اس سے انحراف کی راہیں
☆ کتابیات ——— ۵۱
ڈاکٹر اسرار احمد
دسواں کبیرہ: جھوٹ بولنا۔ جھوٹی گواہی دینا (۲)
ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور
☆ دعوت و تحریک ——— ۵۸
الاخوان المسلمون (۳)
قاضی ظفر الحق
☆ پریس ریلیز ——— ۶۵
موجودہ سیاسی و ملی صورت حال کے بارے میں تنظیم اسلامی کا نقطہ نظر
☆ رفتار کار ——— ۷۰
امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ ملتان
☆ اشاریہ میثاق ——— ۷۳
جنوری سے دسمبر ۹۲ء تک شائع شدہ مضامین کی مکمل فہرست
مرتب: حافظ خالد محمود خضر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

ملک و قوم کی کشتی ایک بار پھر ایک مہیب گرداب کے پیچ و خم میں گرفتار ہے۔ پی ڈی اے کا لانگ مارچ ایک احتجاجی تحریک کی صورت اختیار کرتا نظر آتا ہے، جبکہ حکومت غالباً اسے دبانے اور کچلنے کا تہیہ کئے ہوئے ہے۔ لیکن یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تحریک میں اگر کچھ بھی جان ہو تو دباؤ اور کچلو کی پالیسی سے "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق اسے فروغ ملتا ہے اور ایک وقت وہ آتا ہے کہ ایوانِ حکومت تلپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ پی ڈی اے کی موجودہ تحریک اس اعتبار سے پاکستان کی تاریخ کی ایک منفرد تحریک ہے کہ اس میں مذہبی عناصر نہ ہونے کے برابر ہیں اور تحریک کی تمام تر باگ ڈور خالص سیکولر طبقات کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ تحریک اگر کامیاب ہوگئی تو جیسا کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے حالیہ خطابات میں واشگاف الفاظ میں کہا کہ پھر اس ملک میں کم از کم وقتی طور پر اسلام اور اسلامی نظام کے قیام کا معاملہ بہت پیچھے چلا جائے گا۔ ع "یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد!" ـــــ چنانچہ اس بات کا کھلا اندیشہ موجود ہے کہ پھر یہاں عریاں سیکولرزم کا راج ہوگا۔ دینی جماعتوں اور "بنیاد پرست" عناصر کے لئے وہ دور بہت سخت آزمائش کا ہوگا اور نفاذِ اسلام کے لئے جگر لخت لخت کو پھر سے جمع کرنا ہوگا۔ اسی اندیشے کے پیشِ نظر امیرِ تنظیم اسلامی کا یہ سوچا سمجھا موقف ہے کہ اس ملک میں بلا تاخیر نئے اور بالکل غیر جانبدارانہ الیکشن ہونے چاہئیں۔ صدر صاحب اگر یہ کام کر گزریں اور واقعۃً ایسے انتظامات کے تحت الیکشن کروائیں کہ جن کی غیر جانبداری بالائے شک ہو تو یہ ملک و قوم پر ان کا احسانِ عظیم ہوگا اور ان کا یہ کارنامہ ان کے نامۂ اعمال کی بہت سی سیاہیوں کو دھونے کا موجب ہوگا۔ یوں بھی امیرِ تنظیم اسلامی کی رائے میں موجودہ حکومت کا مینڈیٹ چونکہ شروع سے مشکوک تھا، اس لئے کہ یہ حکومت بھی جن انتخابات کے نتیجے میں برسرِ اقتدار آئی ان میں جانبداری کا عنصر بہت نمایاں تھا، پھر یہ کہ اسلام اور نفاذِ شریعت کے نام پر ووٹ لینے کے بعد برسرِ اقتدار آکر حکومت اپنے وعدوں سے منحرف ہوگئی اور اس نے نفاذِ شریعت کے معاملے کو ایک مذاق بنا کر رکھ دیا، یہی نہیں بلکہ سود کی حرمت کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلے کے خلاف عدالت میں اپیل دائر کرکے اس حکومت نے چونکہ یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کا نام اس نے محض ایک انتخابی نعرے اور سیاسی ضرورت کے تحت استعمال کیا تھا، لہٰذا یہ حکومت اپنا اخلاقی جواز مکمل طور پر کھو بیٹھی ہے۔ حالات بتدریج اس طرح جا رہے ہیں کہ مارشل لاء کا خطرہ بڑھ رہا ہے۔ اندریں حالات

ملک میں جمہوری عمل کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے نیا الیکشن کرانا ناگزیر ہوگیا ہے۔ ان خیالات کا اظہار امیرِ تنظیم اسلامی نے ان بیانات میں کیا ہے جو "پریس ریلیز" کے عنوان سے زیرِ نظر شمارے میں بھی شامل ہیں۔

☆ ☆ ☆

تنظیمِ اسلامی کے تحت ملک کے طول و عرض میں جلسہ ہائے خلافت کے انعقاد کا ایک راؤنڈ کچھ عرصے قبل مکمل کیا جا چکا ہے جس میں پاکستان کے قریباً تمام بڑے شہروں میں ایک ایک جلسے کا پروگرام شامل تھا۔ صوبہ پنجاب اور صوبہ سرحد کے بعض نسبتاً چھوٹے شہروں مثلاً گوجرانوالہ' گجرات' سیالکوٹ' رحیم یار خان' بنوں اور کوہاٹ وغیرہ میں بھی نظامِ خلافت کے موضوع پر امیرِ تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے خطابات ہوئے جبکہ صوبہ سندھ اور بلوچستان میں یہ معاملہ صرف نمایاں ترین شہروں یعنی کراچی اور کوئٹہ تک محدود رہا۔ پچھلے کئی ماہ سے اس نوع کے جلسوں کا انعقاد قریباً موقوف رہا تاہم مختلف شہروں میں چھوٹے پیمانے پر کارنر میٹنگ کے پروگرام وقتاً فوقتاً ترتیب دیئے جاتے رہے' گو ان سرگرمیوں کا زیادہ تر مرکز صوبہ پنجاب ہی رہا۔ بہرکیف اب ایک بار پھر ملک کے مختلف شہروں میں صدائے خلافت بلند کرنے کے لئے جلسوں کا پروگرام ترتیب دیا جارہا ہے۔ اس سلسلے کا پہلا جلسہ ان شاء اللہ العزیز ۳ر دسمبر ۹۲ء کو لاہور میں چوک سنت نگر میں ہوگا' بلکہ قارئین کے ہاتھوں میں "میثاق" پہنچنے سے قبل ہی اگر اللہ نے چاہا تو جلسے کا انعقاد ہو چکا ہوگا۔

اس بار پروگرام میں ایک تبدیلی یہ کی گئی ہے کہ پورے لاہور شہر کا ایک ہی جلسہ کسی ایک مرکزی مقام پر منعقد کرنے کی بجائے لاہور کے مختلف علاقوں میں چھوٹے پیمانے پر کئی جلسے کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے تاکہ تنظیم اسلامی اور تحریکِ خلافت کی دعوت شہر لاہور کے تمام گوشوں میں پہنچ سکے۔ گذشتہ تجربات سے یہ بات بجا طور پر سامنے آئی ہے کہ جلسے کو سننے کے لئے خواہ لوگوں کی بہت بڑی تعداد جمع نہ ہوسکے' جلسے کی پبلسٹی کے ضمن میں کی جانے والی محنت کے نتیجے میں ہماری دعوت کے وسیع پیمانے پر پھیلنے اور لوگوں کو اس سے متعارف کرانے کا سامان ضرور ہوجاتا ہے۔ پھر رفقاء کی تربیت اور ان کا سرگرم عمل ہونا اس پر مستزاد ہے۔ گویا کسی بھی اعتبار سے یہ خسارے کا سودا نہیں ہے --- اس سلسلے کا دوسرا جلسہ ۱۱ر دسمبر کو ڈسکہ میں ہوگا' ان شاء اللہ۔ ڈسکہ اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والے رفقاء واحباب اس کو نوٹ فرمالیں اور اس کے لئے اپنے احباب کو مطلع کرنے اور انہیں آمادۂ شرکت کرنے کے لئے محنت شروع کرنے میں تاخیر سے کام نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان کوششوں کو شرفِ قبول عطا فرمائے' آمین!

ڈاکٹر اسرار احمد

تشکر و امتنان

ان سطور کی تحریر کے وقت والدہ صاحبہ مکرمہ کے انتقال کو تینتیس۳۳ دن گذر چکے ہیں۔ اس عرصے کے دوران میں جو تعزیتی خطوط موصول ہوئے ان کی ایک ضخیم فائل بن چکی ہے۔ ان پر مستزاد جن حضرات نے تعزیت کے لئے قدم رنجہ فرمایا ان کی تو کوئی یادداشت محفوظ نہیں ہے' البتہ جو حضرات ایسے وقت میں تشریف لائے جب میں اکیڈمی میں موجود نہ تھا لہٰذا انہوں نے ایک رجسٹر پر تعزیت تحریر فرمادی ان کے اسماء گرامی محفوظ ہوگئے ہیں—— اور ان سب سے بڑھ کر نماز جنازہ میں جو جمِّ غفیر شریک تھا اس میں شامل حضرات میں سے اکثر کا تو مجھے علم ہی نہیں ہے' اس لئے بھی کہ جب قرآن اکیڈمی سے جنازہ روانہ ہونے والا تھا مجھ پر گریہ طاری تھا لہٰذا میں لوگوں کا "مواجہہ" کرنے سے گریز کررہا تھا' اور اس لئے بھی کہ کچھ اسی بنا پر اور جو کچھ لوگوں کی سہولت کے خیال سے میں نے نماز جنازہ سے قبل مختصر خطاب میں عرض کردیا تھا کہ جو حضرات نماز جنازہ میں شریک ہیں ان کی جانب سے تعزیت کا حق ادا ہوگیا' وہ نماز کے بعد شخصی تعزیت کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔ تاہم اس کے باوجود بھی بہت سے حضرات نے نماز کے بعد شخصاً تعزیت کی' اگرچہ اب ان میں سے صرف چند ہی کے نام یاد رہ گئے ہیں—— میں خود اپنی' اور اپنے تمام بھائیوں اور بہنوں کی جانب سے ان سب حضرات کا بشمول ان سب کرم فرماؤں کے جو خواہ نہ خود تشریف لاسکے ہوں' نہ خط لکھ سکے ہوں' لیکن انہوں نے مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کی ہو تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی خاص "مزاج" عطا ہوتا ہے۔ میرے مزاج کو "رسم" سے طبعی بُعد ہے—— اور اگرچہ یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ ہر "جذبہ" اپنے اظہار کے لئے لامحالہ کسی ظاہری صورت کا محتاج ہے اور یہی "رسم" ہے۔ تاہم یہ "علم" اپنی جگہ اور "مزاج" اپنی جگہ۔ بہرحال اسی افتادِ طبع کے باعث مجھے "تعزیت" سے بھی بُعد نہیں تو ایک عدم مناسبت ضرور رہی ہے۔ اب سے لگ بھگ

بیس سال قبل پروفیسر مرزا محمد منور نے کسی عرب شاعر کا یہ شعر سنایا کہ۔

"یُعَزُّوْنَ عنک و این العزاءُ   و لکنّہ عملٌ مستحبٌ"

یعنی "یہ لوگ مجھ سے تمہارے انتقال پر تعزیت کر رہے ہیں، تو اس سے میرے درد میں تو کوئی کمی نہیں آسکتی، تاہم یہ ایک نیک کام ہے جو وہ کر رہے ہیں!" تو اس سے میرے متذکرہ بالا "مزاج" کو مزید تقویت حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں تعزیت کے لئے جانا ہوتا ہے تو میں زبان سے ایک لفظ تک ادا نہیں کر سکتا۔ بس گم سم بیٹھ جاتا ہوں، اور تعزیتی خطوط تو شاید پوری زندگی میں ایک دو ہی لکھے ہوں!

لیکن والدہ صاحبہ مرحومہ کے سانحۂ ارتحال پر جو تعزیت نامے مجھے موصول ہوئے انہوں نے میری رائے کو تبدیل کر دیا ہے۔ (اگرچہ یہ اللہ ہی کے علم میں ہے کہ اس عمر میں مزاج بھی تبدیل ہو سکے گا یا نہیں!) اس لئے کہ بہت سے خطوط سے واقعۃً ایسے محسوس ہوا جیسے دل کے کسی زخم پر تسکین بخش مرہم کا پھاہا رکھ دیا گیا ہو۔ ایسے بعض خطوط کے بارے میں تو فوری طور پر یہ خیال بھی دل میں پیدا ہوتا رہا کہ انہیں شائع کر دیا جائے۔ لیکن اب چونکہ تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے اور یہ خیال بھی دامن گیر ہے کہ اپنے ذاتی احساس کو اس درجہ "پبلک" بنا دینا بھی درست نہیں ہے، لہٰذا ان خطوط کی اشاعت کے خیال کو ترک کرتے ہوئے ان جملہ مکتوب نگاروں کے شکریئے اور ان کے حق میں دعاءِ خیر پر اکتفا کر رہا ہوں۔ بہت سے مکتوب نگاروں کو ذاتی طور پر جوابی خط لکھنے کو بھی دل چاہ رہا ہے ـــــ لیکن احباب کے علم میں ہے کہ میں اس معاملے میں بھی بہت "معذور" واقع ہوا۔ بنابریں جملہ مکتوب نگاروں کے نام شائع کئے جا رہے ہیں اور ان سے درخواست ہے کہ اس "رسید" ہی کو "جواب" کا قائم مقام سمجھ لیں۔

نمازِ جنازہ میں شرکت کرنے والے بے شمار لوگوں میں سے بعض کا ذکر ذاتی سے بڑھ کر ملی و دینی مصلحت کے اعتبار سے مناسب ہے۔ جماعتِ اسلامی کی پوری مرکزی قیادت نے امیرِ جماعت قاضی حسین احمد صاحب کی معیت میں شرکت فرمائی۔ ان کا یہ فعل میرے لئے موجب تشکر ہونے کے علاوہ خود اپنی جگہ قابل تعریف ہے۔ اس لئے کہ میرا نصح و اخلاص اپنی جگہ، لیکن میری بعض حالیہ تحریریں یقیناً انہیں اچھی نہیں لگی ہوں گی۔ اس کے باوجود یہ سب حضرات ہمارے دکھ میں شرکت کے لئے تشریف لائے تو تشکر

و امتنان کے علاوہ، قدر و احترام کے بھی مستحق ہیں۔ اسی طرح میاں طفیل محمد صاحب، جناب نعیم صدیقی، اور مولانا فتح محمد صاحب بھی اگرچہ نماز جنازہ میں شرکت نہ کر سکے لیکن اس کے فوراً ہی بعد بعض دیگر رفقاء کی معیت میں تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ یہ یقیناً ان کی بہت بڑی کرم فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اجر و ثواب عطا فرمائے اور باقی سب حضرات کو بھی جنہوں نے نماز جنازہ میں شرکت فرمائی یا تعزیت کے لئے قدم رنجہ فرمایا۔ اسی طرح کی ایک مثال جناب علامہ طاہر القادری صاحب کی ہے جو تمامتر اختلافات کے باوجود وقت نکال کر تعزیت کے لئے قرآن اکیڈمی تشریف لائے۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزاء**

والدہ صاحبہ کے سایۂ رحمت و شفقت سے محرومی پر قلبی احساسات کے بیان سے قلم قاصر ہے۔۔۔۔ اور اس معاملے میں بھی ایک جانب میرا مزاج مانع ہے تو دوسری طرف یہ خیال بھی کہ جیسے سبع معلقات کے آخری شاعر حضرت لبیدؓ نے ایمان لانے کے بعد شعر کہنے ترک کر دیئے تھے اور حضرت عمرؓ کے دریافت کرنے پر فرمایا تھا : **"ابعد القرآن؟"** یعنی کیا قرآن کے آجانے کے بعد بھی کسی کے لئے فصاحت اور بلاغت کے جوہر دکھانے کا موقع ہے ؟ اسی طرح " والدہ مرحومہ کی یادیں " کے عنوان سے جو کچھ علامہ اقبال کہہ گئے اس کے بعد اب کسی کے لئے ایسے کسی حادثے پر اپنے احساسات کے اظہار کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ اس معاملے میں بھی ہم سب کی جانب سے علامہ اقبال کو اجر و ثواب عطا فرمائے۔ آمین!

تعزیتی خطوط ارسال کرنے والے حضرات کے اسماء گرامی

ارشاد احمد حقانی صاحب، لاہور	اسد اللہ اویس صاحب، سکھر
ڈاکٹر سید اسلم صاحب، کراچی	انور حسین صاحب، اسلام آباد
اقبال احمد صدیقی صاحب، راولپنڈی	ابراہیم غزنوی صاحب، جدہ
مولانا ایاز احمد حقانی صاحب، شبقدر فورٹ	ڈاکٹر اے ایس کے غوری صاحب، لاہور
سید امجد علی شاہ صاحب، سکھر	بی اے صدیقی صاحب، قصور
الطاف احمد لودھی صاحب، سکھر	بدیع الدین نظر صاحب، حیدر آباد
حافظ اخلاص صاحب، سکھر	پرویز اختر صاحب، جدہ
اسد اللہ بھٹو صاحب، سکھر	جاوید اسلام صاحب، ملتان

شیخ جمیل الرحمٰن صاحب، کراچی
خادم حسین صاحب، ابو ظہی
صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی صاحب، لاہور
خالد بشیر صاحب، رحیم یار خان
ابو عمار زاہد الراشدی صاحب، لندن
پروفیسر ساجد میر صاحب، لاہور
سرفراز احمد صاحب، راولپنڈی
مولانا سمیع الحق صاحب، اکوڑہ خٹک
ملک سردار محمد صاحب، منڈی فاروق آباد
سلامت علی کمال صاحب، لاہور
سعید حمید الدین صاحب، بنوں
سعید احمد اسحٰق صاحب، ساہیوال
ڈاکٹر شوکت یوسف صاحب، لاہور
شگفتہ اظہر صاحبہ، کراچی
شبیر عثمانی صاحب، بنوں عاقل
چودھری شوکت علی صاحب، اسلام آباد
رانا شہزاد افضل صاحب، لاہور
طارق امین صاحب، کراچی
طارق منظور صاحب، اسلام آباد
قاضی ظفر الحق صاحب، واہ کینٹ
عبد الرشید رحمانی صاحب، جدہ
پروفیسر عبد الخالق سربانی صاحب، کندھ کوٹ
عبد الرؤف خان صاحب، کراچی
پروفیسر عبد اللہ شاہین صاحب، حافظ آباد
عبد الرحیم اشرف صاحب، لاہور
عبد الغفور چودھری صاحب، کینیڈا
عرفان طارق صاحب، سکھر
عبد الرزاق خان نیازی صاحب، الجبیل

مولانا عبد الغفار حسن صاحب، اسلام آباد
ڈاکٹر عبد الخالق صاحب، رحیم یار خان
حافظ عبد الستار اظہر صاحب، منڈی فاروق آباد
عطاء الرحمٰن صاحب و رفقائے امریکہ
غلام محمد صاحب، کراچی
غلام محمد سومرو صاحب، سکھر
غلام محمد صاحب، سکھر
غلام رسول بھٹی صاحب، الواسع
فاروق احمد لغاری صاحب، لاہور
فیصل سومرو صاحب، سکھر
کمال الدین کمال سالاپوری صاحب، لاہور
محمد نیاز مراز صاحب، راولپنڈی
محمد عارف حسین اعوان صاحب، اسلام آباد
رانا محمد انور طاہر صاحب، فیصل آباد
ابو فاروق محمد اشرف صاحب، ابو ظہی
معراج الدین صاحب، ڈی آئی خان
محمد جاوید اقبال صاحب، فیصل آباد
ڈاکٹر محمد سلیم صاحب، گوجرانوالہ
محمد محبوب عالم صاحب، ساہیوال
محمد فہیم صاحب، دیر
محمد یوسف چودھری ایڈووکیٹ صاحب، کوئٹہ
منیر احمد کھوکھر صاحب، لاہور
مدثر حسن قاسمی صاحب، چنیوٹ
میاں خاں صاحب، لقمان ضلع گجرات
میاں محمد سعید احمد فریدی صاحب، موہری شریف
محمد داؤد احمد صاحب، لاہور
محمد اسلم ترین صاحب، لاہور
محمد سمیع صاحب، کراچی

راجہ محمد اکرم خان صاحب، رنگلہ آزاد کشمیر
محمد طفیل گوندل صاحب، راس الخیمہ
محمد سعید صاحب، لاہور
ڈاکٹر محمد امین صاحب، منڈی فاروق آباد
منیر احمد السلفی صاحب، لاہور
ڈاکٹر محمد عثمان صاحب، لاہور
حافظ محمد ادریس صاحب، لاہور
مراد علی شاہ صاحب، لاہور
مولانا محمود میاں صاحب، لاہور
محمد اجمل شاہ صاحب، ژوب
محمد صدیق صاحب، کراچی
مختار احمد صاحب، کراچی
محمد عبدالاعلیٰ صاحب، بریڈفورڈ
محمد شبیر صاحب، لندن
محمد طفیل صاحب، سیالکوٹ
محمد سعدی صاحب، بلتستان
پروفیسر محبوب الرحمٰن صاحب، مظفر آباد (اے۔کے)
م طیب عاطر صاحب، کراچی

مجاہد حسین صاحب، کراچی
مجاہد حسین صاحب، پنوں عاقل
حافظ محمد یعقوب صاحب، سکھر
محمد صادق سومرو صاحب، سکھر
محمد اسماعیل انہڑ، سکھر
محمد اشرف چودھری صاحب، گولا، ضلع کوٹلی
محمد اسلم صاحب، فیصل آباد
میاں محمد افضل صاحب، ابو ظہبی
محمد صادق بھٹی، ڈی آئی خان
نصیر احمد ورک صاحب، لاہور
ڈاکٹر نور علی شاہ صاحب، بنوں
نور محمد لغاری صاحب، اجمل باغ
چودھری نذر محمد صاحب، لاہور
نجیب صدیقی صاحب، سکھر
نذیر احمد صاحب، شیخوپورہ
نثار احمد عاجز کرنالی صاحب، لاہور
نصیر الدین محمود صاحب، امریکہ

ڈاکٹر اسرار احمد کا نہایت اہم خطاب

جہاد بالقرآن

کتابی صورت میں دستیاب ہے

صفحات: ۵۶ سفید کاغذ، عمدہ طباعت، قیمت فی نسخہ۔

الہدیٰ قسط: ۸۱

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس ۵

اعراض عن الجہاد کی پاداش

نفاق

سورۃ المنافقون کی روشنی میں (۵)

(گزشتہ سے پیوستہ)

ذہن میں رکھئے کہ نفاق کا یہ سارا معاملہ دراصل قلب کی دنیا سے یعنی انسان کے باطن سے متعلق ہے۔ ورنہ ظاہری طور پر منافقین مسلمانوں ہی میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ منافقوں کے سردار' عبداللہ ابن ابی کو بھی آخری وقت تک مسلمان تسلیم کیا گیا ہے۔ یہاں اسلام اور ایمان کے مابین فرق کو یا یوں کہہ لیجئے کہ "قانونی ایمان" اور "حقیقی ایمان" کے درمیان اس فرق کو جو اس سے پہلے مختلف مواقع پر اس منتخب نصاب کے دروس کے دوران زیرِ بحث آچکا ہے' ایک مرتبہ پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے۔ اس لئے کہ یہ بڑی اہم بحث ہے۔ دین کے نظام کے سمجھنے کا بہت حد تک دارومدار اس پر ہے۔

مختصراً یہ کہ ایک ہے "قانونی ایمان" جس کے لئے مترادف لفظ "اسلام" ہے اور ایک ہے "حقیقی ایمان" جو یقینِ قلبی سے عبارت ہے۔ اس یقینِ قلبی والے ایمان سے اگر انسان محروم ہو جائے تو یہ ایک نوع کے نفاق کی کیفیت ہے۔ تاہم یہ واضح رہنا چاہئے کہ نفاق یا منافقت کسی قانونی درجے کا نام نہیں ہے اور نہ ہی منافق کی کوئی علیحدہ قانونی حیثیت ہوتی ہے بلکہ قانونی اعتبار سے تو مسلم اور کافر بس یہی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ہاں ایک مسلمان کی باطنی کیفیات مختلف ہو سکتی ہیں۔ وہ مثبت طور پر مومن بھی ہو سکتا ہے اور منفی طور پر منافق بھی!

منافقین کی اسلام دشمنی ـــــ ایک چشم کشا واقعہ

سورۃ المنافقون کی ابتدائی تین آیات کا مطالعہ کسی درجے میں ہم نے مکمل کر لیا

ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے پہلے رکوع کی بقیہ آیات کو سمجھنے کے لئے اس کے تاریخی پس منظر کو پہلے ذہن میں مستحضر کر لینا مفید ہو گا۔ حقیقتِ نفاق پر اصولی گفتگو اگرچہ ہو چکی ہے لیکن یہ کہ عملاً یہ نفاق کا مرض انسان کو کہاں سے کہاں پہنچاتا ہے، جس کو اس سے قبل ٹی بی کی تھرڈ سٹیج سے تعبیر کیا گیا تھا یعنی نفاق کا وہ مرتبہ جہاں پہنچ کر اہلِ ایمان کے لئے بغض و عداوت اور ان سے دشمنی منافق کے دل میں گھر کر جاتی ہے، اس کی ایک نمایاں مثال اس واقعے کے حوالے سے سامنے آتی ہے جو غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر پیش آیا۔

اس غزوے میں صحابہ کرام ؓ کے ساتھ ساتھ کچھ منافقین بھی لشکر میں شامل تھے۔ عبداللہ ابن ابی بھی اپنی جمعیت کے ساتھ موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ واپسی پر مریسیع کے کنویں کے قریب جہاں لشکر کا پڑاؤ تھا، دو مسلمانوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ایک حضرت جہجاہ تھے جو حضرت عمرؓ کے ملازم تھے اور ان کے گھوڑے وغیرہ کو سنبھالتے تھے۔ اور دوسرا شخص انصار کا حلیف تھا۔ معمولی سا جھگڑا ہوا۔ حضرت جہجاہ نے کہیں جذبات میں آکر اس کو ایک لات رسید کر دی۔ اس پر ہنگامہ ہوا اور شور مچ گیا اور پرانی عصبیتوں کو آواز دی گئی۔ ہوتے ہوتے یہ معاملہ مہاجرین اور انصار کے مابین ایک جھگڑے کی شکل اختیار کر گیا۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی۔ آپ تشریف لائے، سمجھایا بجھایا، معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ لیکن جیسا کہ عموماً ہوتا ہے، اس کے بعد چہ میگوئیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ کچھ لوگ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے پاس گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے تشویش کا اظہار کیا کہ مہاجرین کی جرأتیں بڑھتی جا رہی ہیں!!۔ عبداللہ ابن ابی کو تو یوں سمجھئے کہ ایک موقع ہاتھ آگیا۔ اس کے خبثِ باطن کے اظہار کے لئے یہ ایک بڑا مناسب موقعہ تھا۔ اس نے لوگوں کو سخت سست کہا کہ آج مجھ سے کیا کہتے ہو، یہ سب کچھ تم لوگوں کا کیا دھرا ہے۔ یہ لٹے پٹے مہاجرین مکہ سے آئے تھے، ان کے پاس کوئی ٹھکانہ نہ تھا، تم نے انہیں جگہ دی۔ تم نے انہیں پناہ دی۔ تم نے ان پر خرچ کیا، انہیں کھلایا پلایا اب ان کی ہمتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ہم لوگ یعنی اہلِ مدینہ ان کی دست درازیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس نے صحابہ کرامؓ کے خلاف بڑے گستاخانہ الفاظ استعمال کئے۔ عربی زبان کی ایک کہاوت کا حوالہ دیا: **سَمِّنْ کَلْبَکَ یَاْکُلْکَ** (یعنی اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو کسی روز وہ خود تمہیں کاٹے گا) اور کہا کہ یہی معاملہ

ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ اور خدا کی قسم' اگر تم لوگ اپنا دستِ تعاون ان سے کھینچ لو اور ان پر خرچ نہ کرو تو یہ سب چلتے بنیں گے۔ یہ ایمان اور جہاد کا غلغلہ محض اس وجہ سے ہے کہ ان لوگوں کو کھانے پینے کو ملتا ہے' آرام اور آسائش حاصل ہے۔ یہ سہولت اگر سلب کر لی جائے تو یہ ساری بھیڑ چھٹ جائے گی۔ مزید برآں اس نے بہت زور دے کر کہا کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں تو بالکل متفق الرائے ہو کر یہ طے کر لیں کہ جو صاحبِ عزت ہیں' جو مدینہ کے قدیم باشندے ہیں یا جدید اصطلاح میں جو Sons of the Soil ہیں وہ ان کمزور لوگوں کو نکال باہر کریں۔ ان مہاجروں کو جو بڑے کمزور ہیں' جن کی کوئی حیثیت نہیں' اب ہم ان کو مدینہ سے بے دخل کر کے چھوڑیں گے۔

یہ باتیں جہاں ہو رہی تھیں وہاں حضرت زید ابن ارقمؓ بھی موجود تھے جن کا شمار اس وقت نوجوان اور کم عمر صحابہ میں ہوتا تھا۔ انہوں نے جا کر یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی۔ معاملہ چونکہ اہم تھا لہٰذا آنحضورؐ نے انؓ سے اس بارے میں خوب اچھی طرح پوچھ گچھ بھی کی کہ کہیں انؓ سے سننے میں کوئی سہو تو نہیں ہوا۔ لیکن جب آپؐ کو اطمینان ہو گیا کہ حضرت ارقمؓ جو کچھ بیان کر رہے ہیں وہ مبنی بر حقیقت ہے تو آپؐ نے عبداللہ ابن ابی کو طلب فرمایا اور باز پرس کی۔ وہ صاف قسم کھا گیا کہ میں نے ایسی کوئی بات ہی نہیں کہی۔ یہ بالکل جھوٹ اور افتراء ہے جو مجھ پر باندھا جا رہا ہے۔ اب حضرت زید ابن ارقمؓ کی پوزیشن بڑی Awkward (خراب) ہو گئی کہ عبداللہ بن ابی کی بات کو درست تسلیم کیا جائے تو وہؓ جھوٹے پڑتے تھے۔ اتنے بڑے سردار اور اتنے معتبر شخص' رئیسِ خزرج کے مقابلے میں اس کم سن اور نوجوان صحابیؓ کی بات کون سنے! تو اس طرح انؓ کی پوزیشن بڑی ہی خراب ہوئی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ان میں گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نیک دل اور مخلص مسلمان کے قول کی توثیق و تصویب کی کہ جو جھوٹ اس پر چسپاں کر دیا گیا تھا اس سے اسے براءت حاصل ہو جائے' اور اصل حقیقت پورے طریقے پر مسلمانوں کے سامنے آ جائے۔

اس پس منظر میں ان آیات کا مطالعہ کیجئے۔ اور اس پورے سلسلۂ کلام کو مدِّ نظر رکھئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اس مرضِ نفاق کی ہلاکت خیزی کیا ہے اور یہ انسان کو کس انجامِ بد سے دوچار کرتا ہے۔ چنانچہ یہ مرض جس کا آغاز بالعموم ایک معمولی سی تقصیر سے ہوتا ہے' یعنی دین کے تقاضوں کے مقابلے میں اپنی جان و مال کے تحفظ کا خیال اور ایثار اور

قربانی سے گریز' لیکن جب یہ آگے بڑھتا ہے تو جھوٹے بہانوں اور جھوٹی قسموں سے ہوتا ہوا اس منزل تک پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کے رسول کی عداوت و دشمنی اور صادق الایمان مسلمانوں سے بغض اور دشمنی دل میں گھر کر جاتی ہے۔ یہ گویا کہ اس مرض کی وہ آخری سٹیج ہے کہ جس کے بعد دلوں پر مہر ہو جاتی ہے۔ یہ POINT OF NO RETURN ہے کہ یہاں سے واپسی کا اب کوئی امکان نہیں۔

منافقین کا ظاہر

فرمایا: "وَاِذَا رَاَیْتَھُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُھُمْ" کہ اے نبی' جب آپؐ انہیں دیکھتے ہیں تو ان کا تن و توش آپؐ کو بڑا بھلا لگتا ہے ـــــــ یہ بات سورۂ توبہ میں بھی بعینہٖ انہی الفاظ میں آئی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ دنیادار اور دنیا پرست ہیں اور جن کی ساری محنت اور جدوجہد کا مقصود اور مصرف بس دنیا کی زندگی ہے' ان کے پاس مال و دولت بھی وافر ہوگی اور معاشرے میں انہیں ایک حیثیت و وجاہت بھی حاصل ہوگی۔ وہ جس مجلس میں بیٹھے ہونگے' معتبر نظر آئیں گے۔ تو اس کا ایک نقشہ یہاں کھینچا گیا ہے کہ اے نبی جب آپؐ انہیں دیکھتے ہیں تو ان کے قدو قامت اور ان کے تن و توش سے آپؐ متاثر ہوتے ہیں۔ اور "وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِھِمْ" جب وہ کوئی بات کرتے ہیں تو ان کی ظاہری حیثیت کے موافق آپ ان کی طرف متوجہ ہوتے اور بڑے غور سے ان کی بات سنتے ہیں ـــــــ "کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ" یہ ان خشک لکڑیوں کے مانند ہیں جنہیں سہارا دے کر کھڑا کیا گیا ہو ـــــــ آپؐ ان کے اس ظاہری تن و توش پر نہ جائیے' یہ لوگ اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں۔

انسان کی ایک معنوی شخصیت ہوتی ہے۔ وہ اس کی قوتِ ارادی' اس کے عزم اور اس کی سیرت و کردار کی قوت سے عبارت ہوتی ہے۔ کوئی شخص خواہ بظاہر دبلا پتلا اور نحیف الجثہ ہو' ابوبکر صدیقؓ کی مانند کہ جو نحیف و نزار ہی نہیں رقیق القلب بھی تھے' لیکن اندر اگر ایک عزیمت اور ایک فیصلہ کن ولولہ موجود ہو تو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہوگا ہے جو تاریخ کے دھارے کا رخ موڑ دیا کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں کہ جن کے ذریعے سے قوموں کی تقدیریں بدلتی ہیں۔ تو اس معنوی شخصیت کے اعتبار سے ان منافقین کا حال یہ ہے کہ: "کَاَنَّھُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ"۔ بڑی عمدہ تشبیہ ہے کہ ایک تو وہ درخت ہے

کہ جو خود اپنے بل پر کھڑا ہے اور ایک وہ لکڑی ہے جو اپنی جگہ چاہے کتنی ہی موٹی اور وزنی کیوں نہ ہو لیکن زمین سے چونکہ اسے غذا نہیں مل رہی لہٰذا وہ سوکھ چکی ہے اور اب وہ اپنے بل پر کھڑی نہیں ہو سکتی' اسے کسی سہارے کی ضرورت ہے۔ کہیں اسے سہارا دے کر کھڑا کر دیجئے' تو کھڑی رہے گی' بصورتِ دیگر ڈھیر ہو جائے گی۔ ان منافقین کی معنوی حیثیت بھی ان خشک لکڑیوں سے مختلف نہیں!

منافقین کی باطنی کیفیت

آگے فرمایا "یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْھِمْ" ان کی اس باطنی کیفیت میں جو بزدلی' کمزوری اور ضعف مضمر تھا اس کی تعبیر ان الفاظ میں فرمائی کہ جب بھی کوئی چیخ یا کوئی بلند آواز کان میں پڑتی ہے تو یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری شامت آگئی۔ دل ہی دل میں لرزتے اور کانپتے رہتے ہیں۔ سورۃ القیامہ کی اس آیت کے مصداق کہ "بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ" انہیں خوب معلوم تھا کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔ ان کی اصل حقیقت کیا ہے! ـــــ قرآن میں اگر کوئی وعید وارد ہوتی تو بھی کم از کم وقتی طور پر ان کی جان پر بن جاتی تھی۔ اس لئے کہ ان کا ضمیر متنبہ کر دیتا تھا کہ یہ ہے انجام جس سے تم دوچار ہوگے۔ اور صیحہ کے لفظ کے حوالے سے اشارہ کر دیا گیا کہ کہیں کوئی خطرہ کی گھنٹی بجتی' یعنی کسی طرف سے کوئی خطرے کی آواز سنائی دیتی کہ کوئی لشکر حملہ آور ہوا چاہتا ہے تو خوف و دہشت سے ان کی جانیں لرزنے لگتیں۔ فرمایا: "ھُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْھُمْ" یہی ہیں اصل دشمن۔ اے نبی' ان کو پہچانئے اور ان کی ریشہ دوانیوں سے بچنے کی کوشش کیجئے۔ یہ جو آستین کا سانپ ہیں ان کا ڈنگ بہت خطرناک ہے۔ لہٰذا آپ پورے طور پر چوکس اور محتاط رہیں اور ان کے طرزِ عمل پر نظر رکھیں۔ آیت کے آخری حصے میں فرمایا: قٰتَلَھُمُ اللّٰہُ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ○ اللہ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں سے لوٹائے جا رہے ہیں! اس میں ایک حسرت بھی ہے کہ کہاں تک ان کی رسائی ہوئی' یہ اپنی خوش بختی کا تصور کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہونے کا شرف انہیں حاصل ہوا' لیکن یہ بد بخت کہاں تک پہنچ کر واپس جا رہے ہیں! ـــــ یہ کس خوش بختی' رشد اور فوز و فلاح کی منزل کے قریب پہنچ کر اب محرومی کی طرف لوٹائے جا رہے ہیں!!!

منافقین کی ہٹ دھرمی اور تکبر

اگلی آیت میں فرمایا: "وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کہ اپنے غلط طرزِ عمل پر پشیمان ہونے اور اصلاحِ احوال کی جانب متوجہ ہونے کی اب ان سے توقع بھی عبث ہے۔ یہ چیز اس مرض کے آغاز میں تو ہوتی ہے۔ اب معاملہ جو آگے بڑھ چکا ہے۔ مرضِ نفاق اب تیسری سٹیج میں داخل ہو چکا ہے لہٰذا ان کا حال یہ ہے کہ جب اہلِ ایمان ان سے یہ کہتے کہ تم سے جو غلطی ہوئی ہے اس کے ازالے کے لئے چلو حضورؐ کی خدمت میں حاضری دو اور اپنی غلطی کا اعتراف کر لو تاکہ اللہ کے رسولؐ تمہارے لئے استغفار کریں اور اللہ سے تمہاری خطاؤں کی معافی چاہیں تو بجائے اس کے کہ وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خطا کا اعتراف کریں: "لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ" اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں ـــــ یعنی متکبرانہ انداز میں اپنے سر کو جھٹک دیتے تھے۔ اس لئے کہ ان کے باطن میں نفاق کا پودا پوری طرح برگ و بار لا چکا ہے اور ان کی پوری شخصیت پر آکاس بیل کی طرح مسلط ہو چکا ہے۔ فرمایا: "وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ" اور آپ دیکھتے ہیں کہ وہ رکے رہ جاتے ہیں، استکبار کرتے ہوئے ـــــ ان کے قدم گویا کہ جکڑ دیئے گئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر غلطی کا اعتراف اور استغفار کی درخواست کرنے سے گویا کوئی چیز ان کے قدموں کو روکے ہوئے ہے اور یہ سب کچھ درحقیقت تکبر اور گھمنڈ کے باعث ہے۔

منافقین کا حسرتناک انجام

اگلی آیت میں اس حسرتناک انجام اور محرومی کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو منافقین کا مقدر ہے۔ فرمایا: "سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ" کہ اے نبی، ان منافقین کے لئے برابر ہے، آپؐ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ گویا آپؐ کا استغفار بھی ان بدبختوں کے حق میں مفید نہیں۔ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں یہ مضمون سورہ توبہ میں دہرایا گیا ہے۔ وہاں اضافی طور پر فرمایا: "اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ" کہ اگر آپؐ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار فرمائیں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو نہیں بخشے گا۔ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ منافقین کے بیان میں یہاں وہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے جو سورۃ البقرہ

کے پہلے رکوع میں پکے اور کٹر کافروں کے لئے ملتا ہے۔ وہ کھلے کافر جو کفر کی آخری حدوں کو پہنچ چکے تھے' جن کے لئے "خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ" کے فیصلے کا اعلان ہوا' ان کے بارے میں سورۃ البقرہ میں یہی الفاظ آتے ہیں: "سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ" ○ کہ ان کافروں کے حق میں بالکل برابر ہو چکا ہے خواہ آپؐ انہیں خبردار فرمائیں خواہ نہ فرمائیں' اب یہ ایمان لانے والے نہیں۔ وہی بات یہاں منافقین کے بارے میں فرمائی گئی۔ گویا منافقین کا شمار اگرچہ دنیا میں مسلمانوں ہی میں ہوتا ہے لیکن ان کا انجام بدترین کافروں کے ساتھ ہوگا۔

آیت کے آخری ٹکڑے میں اسی قاعدہ کلیہ کو دہرایا گیا جو اس سے پہلے سورۃ الصف میں بھی بیان ہوا ہے: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ"۔ یقیناً اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا ---- یہ بات اس کی سنت اور اس کے ضابطے کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو زبردستی راہِ ہدایت پر لے آئے۔ زبردستی ہدایت دینی ہوتی تو پھر کون ہوتا جو ہدایت سے محروم رہ جاتا۔ پھر تو ابوجہل اور ابولہب بھی ہدایت سے محروم نہ رہتے۔ اللہ تو ہدایت انہی کو دیتا ہے جو ہدایت کے جویا ہوں' جو ہدایت کے طالب اور متلاشی ہوں' جو ہدایت اختیار کرنے کی واقعی ارادہ رکھتے ہوں۔ جو لوگ دیدہ دانستہ فسق فجور کے راستے پر چل رہے ہوں انہیں زبردستی ہدایت دینا اللہ کا طریقہ نہیں! (جاری ہے)

تربیتی پروگرام برائے عہدیداران تنظیم اسلامی

(از ۲۶ر دسمبر ۹۲ء تا ۳۱ر دسمبر' بمقام کراچی)

☆ تنظیم اسلامی کے تمام عہدیداران یعنی ناظمین سے لے کر نقباء اسرہ جات تک سب کی اس میں شرکت لازمی ہے۔

☆ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد ان شاء اللہ اس پروگرام میں ہمہ وقت شریک ہوں گے۔

تفصیلی معلومات کے لئے تنظیم اسلامی کے مرکزی دفتر سے رجوع کریں۔

المعلن: ناظم اعلیٰ' تنظیم اسلامی' پاکستان' ۶۷۔اے' علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو' لاہور

اسلام کا انقلابی فکر اور اس سے انحراف کی راہیں

"تفکر و تذکر" کے زیرِ عنوان "نوائے وقت" میں شائع ہونے والے سلسلۂ مضمون کی چار اقساط، جو اسلام کے انقلابی فکر سے متعلق بعض اہم مباحث پر مشتمل ہیں۔

اسلام کے انقلابی فکر کو اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ ——— دین اور دنیا، اور مذہب و سیاست کو یکجا کر کے ان کے مجموعے پر اللہ کی حاکمیت یعنی کتاب اللہ اور سنّتِ رسولؐ کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی قائم کرنے کی جدوجہد میں تن من دھن کے ساتھ حصہ لیا جائے تاکہ دین حق کے غلبے کی صورت میں وہ نظامِ عدلِ اجتماعی قائم ہو جائے جو انسانی حریت، اخوت، اور مساوات کے معتدل اور متوازن مجموعے کی حیثیت سے خلق کے لئے خالق کی رحمت و ربوبیت اور عدل و قسط کا جامع اور کامل مظہر بن جائے——— اور علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل اشعار کے مطابق اس مقصدِ عظیم کے لئے تن من دھن لگا دینا، حتیٰ کہ ضرورت پڑنے پر جان دے دینا، دین حق کا لازمی تقاضا ہے۔

مقامِ بندگی دیگر، مقامِ عاشقی دیگر
زنوری سجدہ می خواہی، زخاکی بیش ازاں خواہی
چناں خود رانگہداری کہ با ایں بے نیازی ہا!
شہادت بر وجودِ خود ز خونِ دوستاں خواہی

اور صرف ان عظیم ہستیوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جنہوں نے خواہ اس مقصد کے لئے کوئی عملی اقدام اور اجتماعی جدوجہد نہ کی ہو، لیکن اپنی پوری زندگی ایسی کسی جدوجہد

کی تمہیدی اور ابتدائی مساعی میں صرف کردی ہو، جیسے مثلاً شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ اقبال مرحوم، باقی جس مسلمان کی زندگی اس جہدو جہاد سے خالی اور سینہ اس راہ میں جان دینے کی آرزو سے محروم ہو وہ سورۃ الحجرات کی آیات ۱۴ اور ۱۵ کی رُو سے "قانونی مسلم" تو ہوسکتا ہے "حقیقی مومن" ہرگز نہیں ہوسکتا اور ایک حدیثِ نبویؐ کی رو سے ایسے مسلمان کی موت ایک قسم کے نفاق پر واقع ہوتی ہے۔ (مسلمؒ عن ابی ہریرۃؓ)

رہے وہ لوگ جو کسی ایسی جدوجہد میں بالفعل شریک رہے ہوں، پھر خواہ (i) اپنی کسی ذاتی کمزوری اور خامی کی بنا پر یا (ii) کسی نوع کے تکبر اور انانیت کے باعث یا (iii) کسی داعی اور قائد کی کم ہمتی سے بد دل ہو کر یا (iv) اس میں "خوئے دلنوازی" کی کمی کی شکایت کی بنا پر یا (v) اس کے کسی مرحلے پر غلط رخ اختیار کرلینے اور پھر اس پر ضد اور اصرار کے باعث علیحدگی اختیار کرلیں ـــــــ ان میں سے جو لوگ اس جدوجہد سے بالکل دستکش ہو کر بیٹھ رہیں اور عضو معطل بن کر رہ جائیں ان سے بھی اللہ کے یہاں سخت جواب طلبی ہوگی، لیکن وہ لوگ جو اپنی بزدلی اور کم ہمتی پر پردہ ڈالنے کے لئے اس فکر ہی کو مجروح کرنے کی کوشش شروع کردیں وہ تو حدیث نبویؐ کے الفاظ : **"شرُّ النّاسِ تحتَ اَدِیمِ السّماء"** کے مصداقِ کامل، یعنی آسمان تلے کی بد ترین مخلوق شمار کئے جانے کے لائق ہیں۔ تاہم اس اہم حقیقت کی وضاحت کے لئے ایک اجمالی تاریخی تجزیہ ضروری ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف تو اپنے اور غیر، اور دوست اور دشمن سب کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیس سالہ عظیم اور معجزانہ انقلابی جدوجہد کے ذریعے دین حق کے غلبے کی صورت میں متذکرہ بالا نظام عدل و قسط بالفعل قائم فرمادیا تھا ـــــــ اور مزید یہ کہ یہ نظام اپنی کامل اور مکمل صورت میں آپؐ کے انتقال کے بعد بھی کم از کم تیس برس تک قائم رہا۔ البتہ اس کے ضمن میں دو وسوسے اغیار اور اعداء نے پیدا کردئے ہیں جن کی جانب اجمالی اشارہ مناسب ہے۔ ان میں

سے پہلا وسوسہ ایک "طعنے" کی صورت میں ہے یعنی: "اللہ کا عطا کردہ دین' اور صرف تیس برس کی قلیل مدت؟" جس کا مسکت جواب یہ ہے کہ نظام اسلام کے بارے میں تو آپ بھی مانتے ہیں کہ یہ کم از کم ایک بار اپنی کامل صورت میں قائم ہوا اور تیس برس تک قائم رہا' جبکہ جن نظاموں کا ڈھنڈورا آپ پیٹتے ہیں ان میں سے تو کوئی بھی آج تک اپنی اصل مجوزہ صورت میں کہیں ایک دن کے لئے بھی قائم نہیں ہوسکا۔ چنانچہ افلاطون کی "ریپبلک" تو خیر تھی ہی خیالی جنت' جس جمہوریت کا خواب والٹیئر اور روسو نے خود دیکھا اور دنیا کو دکھایا تھا اس کے بارے میں جمہوریت کے بڑے سے بڑے علمبردار بھی صرف یہی کہتے ہیں کہ ع "چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی!" کے مصداق ابھی ہم اس کی جانب پیش قدمی کررہے ہیں! رہا مارکس اور اینگلز کا "غیر طبقاتی اور غیر ریاستی معاشرہ" تو یہ خواب تو اپنی تعبیر کی ادنیٰ ترین جھلک دکھائے بغیر ہی طاقِ نسیاں کی زینت بن چکا ہے!

دوسرا وسوسہ اس "مغالطے" کی صورت میں ہے کہ تیس برس کے بعد اسلامی نظام بالکل ختم ہوگیا تھا' حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے اختتام پر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی اختیار کردہ تعبیر کے مطابق دین حق کے نظام عدل اجتماعی کی چھ منزلہ عمارت کی صرف چھٹی یعنی سب سے بلند منزل منہدم ہوئی تھی' بقیہ پانچوں منزلیں قائم رہیں جو بعد میں ایک ایک کرکے کہیں ایک ہزار سال میں منہدم ہوئیں اور اس کے بعد بھی لگ بھگ دو سو سال تک کیفیت یہ رہی کہ ع "کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی!" ـــــ تیس برس بعد' یعنی خلافت راشدہ کے اختتام پر تو صرف یہ کمی واقع ہوئی تھی کہ حکومت کا نظام اسلام کے اعلیٰ ترین شورائی معیارات پر برقرار نہ رہا بلکہ اس میں قبائلی عصبیت کا عمل دخل "شروع" ہوگیا۔ تاہم اسے بھی پوری طرح "ملوکیت" کی صورت اختیار کرنے میں کم از کم ایک صدی کا عرصہ لگا۔ اور ملوکیت اپنی پوری شان اور جملہ لوازم کے ساتھ بالفعل دور عباسی میں جلوہ گر ہوسکی۔

پھر یہ تو ہماری تاریخ کا نہایت شاندار اور قابل فخر باب، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کا عظیم مظہر ہے کہ خلافت کے ملوکیت میں تبدیل ہونے کے تدریجی عمل کے ہر مرحلے پر اصحاب ہمت و عزیمت اس زوال اور انحطاط کو روکنے کے لئے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے۔ چنانچہ اولین مرحلے پر سید نا حسین ابن علی اور سید نا عبد اللہ ابن زبیر (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور درمیانی اور آخری مراحل میں حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے حضرت زید ابن علی اور حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے محمد ابن عبداللہ المعروف بہ نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم ابن عبداللہ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) نے اس زوال کو اپنی جانوں کی قربانی کے ذریعے روکنے کی کوشش کی ــــ اور اگر ان تمام حضرات کی مساعی دنیوی اور فوری اعتبار سے ناکام ہوگئیں تو اس سے ان پر ہرگز کوئی حرف نہیں آتا، اس لئے کہ دنیوی اور فوری اعتبار سے تو ان سے پہلے بے شمار انبیاء کرام بھی دنیا سے "ناکام" ہی گذر گئے تھے!

افسوس ہے کہ آج کے دور میں بعض کم ظرف اور کم ہمت بلکہ بدباطن لوگ ان نفوس قدسیہ کا ذکر توہین آمیز انداز میں کرکے اور ان کے عظیم کارناموں کو خود ساختہ فقہی اور قانونی معیار پر پرکھنے کی کوشش کرکے اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اپنی کور چشمی کے باعث اس تاریخی حقیقت کو بھی نظرانداز کردیتے ہیں کہ فقہ اسلامی کے دونوں اولین ائمہ، یعنی فقہاء اسلام کے سید الطائفہ اور "امام اعظم" حضرت ابو حنیفہؒ اور حدیث نبویؐ کا پہلا مجموعہ مرتب کرنے والے امام دارالہجرت حضرت مالک ابن انسؒ نے حضرت نفس زکیہؒ سے دامے، درمے سخنے تعاون کیا تھا، جس سے باآسانی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر ان حضرات کو حسینؓ ابن علیؓ اور عبداللہؓ ابن زبیرؓ کا زمانہ ملا ہوتا تو ان کا طرز عمل کیا ہوتا!

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ جیسے "ایمان" کے لطیف اور ماورائی حقائق کو ارسطو کی منطق کی محدود میزان میں تولنا ناممکن ہے، اسی طرح ان حضرات کی منوں ہی نہیں

ثنوں وزنی عزیمت کو ملوکیت کے "نازک مزاجِ شاہاں تابِ سخن نہ دارد" والے دور میں پروان چڑھنے والی "فقہ" کی سناروں والی نازک ترازو میں تولنے کی کوشش کرنا حماقتِ محض ہے!

بہرحال جب عالم اسلام میں حدیث نبویؐ کے الفاظ میں "کاٹ کھانے والی ملوکیت" اور "جابرانہ بادشاہت" کا نظام مستحکم اور متمکن ہوگیا اور اس کی پہلوٹھی کی بیٹی بھی جوان ہوگئی یعنی جاگیرداری بھی پوری طرح رائج ہوگئی' اور عوام کو اس ظالمانہ استبدادی نظام کو ایک امرواقعی کی حیثیت سے عملاً قبول کرنا پڑا تو اس کے لازمی اور منطقی نتیجے کے طور پر مسلمانوں کے دینی تصورات میں بھی تنزل کا عمل شروع ہوگیا۔ اور اسلام رفتہ رفتہ "دین" کی بجائے صرف ایک "مذہب" کی صورت اختیار کرتا چلا گیا جس کا اصل موضوع "عبادات اور رسومات" ہوتی ہیں نہ کہ ریاست و سیاست! اور ہوتے ہوتے یہ بات تقریباً اصول موضوعہ کی حیثیت سے تسلیم اور قبول کرلی گئی کہ حکومت کا معاملہ تو علامہ ابن خلدونؒ کی اصطلاح کے مطابق صرف "عصبیت" ہی کی بنیاد پر چل سکتا ہے۔ اور اس میدان میں تو لامحالہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" ہی کے اصول پر عمل ممکن ہے ——— رہے "علماء دین" تو ان کا کام اول تو ان امراء و سلاطین کی "سول سروس" میں خطیبوں' مفتیوں اور قاضیوں کی خدمات سرانجام دینا ہے۔ جو لوگ اس سے آگے بڑھ کر "دین کی خدمت" کی ہمت اور حوصلہ رکھتے ہوں وہ علوم اسلامی یعنی تفسیر' حدیث' فقہ اور علمِ کلام کو اپنی جولانگاہ بنائیں یا اگر اس کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں تو عوام کو وعظ و نصیحت' اور تعلیم و تلقین کے ذریعے محبتِ الٰہی' اتباعِ رسولؐ اور ترجیحِ آخرت کی "دعوت" دیں اور "تذکیر" کا فریضہ ادا کرتے رہیں' ——— اور جو اس سے بھی زیادہ ہمت اور عزیمت کے مالک ہوں وہ تزکیۂ نفس اور سلوک کے مراحل خود بھی طے کریں اور دوسروں کو بھی کرائیں اور اس مقصد کے لئے خانقاہیں آباد کر کے بیٹھ رہیں۔ اللہ اللہ اور خیر سلا! رہی سیاست اور حکومت تو یہ "دنیاداروں" کا کام ہے'

اور اس سے بھی آگے بڑھ کر "نظام" کو بدلنے کی کوشش تو "خروج" اور بغاوت ہے' جو کفر اور ارتداد سے بس کچھ ہی کم تر ہے!

اس تصور کے تحت ایک جانب ؎

"ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری' ہوس کی وزیری"

کے مطابق سلاطین و امراء اور منصبداروں اور سپہ سالاروں میں عیاشی و سفاکی اور ہوس ملک گیری بڑھتی چلی گئی' اور دوسری جانب مذہب صرف ایک "پیشہ" بن کر رہ گیا اور اس کے ضمن میں معاصرانہ چشمک اور پیشہ ورانہ رقابت اور پھر مدرسہ و خانقاہ کی تقسیم اور ان کی باہمی منافرت کے باعث اخلاقی زوال کا عمل جس قدر جلد شروع ہوا اور جتنی تیزی سے بڑھا اس کا اندازہ طبقہ تبع تابعین سے تعلق رکھنے والے حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کے اس شعر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ؎

و ما افسد الدّین الّا الملوک
و اَحبارُ سوءٍ و رُھبانھا

جس کی بہترین ترجمانی کی ہے ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کہ ؎

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ ملّائی و سلطانی و پیری!

اور یہ امر یقیناً بہت قابل غور ہے کہ اگر یہ مرض تبع تابعین کے دور ہی میں شروع ہوگیا تھا جس کا شمار "خیر القرون" میں ہوتا ہے تو ع "قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا!" کے مصداق بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مزید ایک ہزار برس کا عرصہ گزر جانے کے بعد نوبت کہاں تک پہنچ گئی ہوگی!

الغرض' اب سے لگ بھگ تین سو برس قبل اِدھر عالم اسلام میں تو دینی و اخلاقی زوال اور قومی و سیاسی اختلال کی تاریکیاں ع "زینہ زینہ اتر رہی تھی رات" کے مانند شدید سے شدید تر ہوتی چلی جارہی تھیں اور فی الجملہ وہ صورت پیدا

ہو چکی تھی جس کا نقشہ علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ ۔

پیشِ ما یک عالمِ فرسودہ است
ملّت اندر خاکِ اُو آسودہ است!

—— لیکن اُدھر وسطی یورپ میں، ہسپانیہ کے ان مسلمانوں کے زیر اثر جو قرطبہ اور غرناطہ کی یونیورسٹیوں کے ذریعے یورپ کو بیدار کر کے خود خوابِ خرگوش کے مزے لوٹنے کے باعث ع "تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں!" کی عبرتناک مثال بن چکے تھے، اصلاح مذہب اور احیاء العلوم کا غلغلہ بلند ہوا، جس کے نتیجے میں ایک جانب سائنس اور ٹیکنالوجی نے تیزی سے ترقی کرنی شروع کی اور دوسری جانب انسانی حقوق بالخصوص حریت کا تصور اجاگر ہونا شروع ہوا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے جو "قوت کا دباؤ" بڑھا اس نے مغربی استعمار کی صورت میں افریقہ اور ایشیا کا رخ کر لیا اور اب سے تقریباً ڈھائی سو برس قبل سوائے سلطنتِ عثمانیہ کے تقریباً پورا عالم اسلام اس کے زیر نگیں آگیا۔ لیکن عجیب اور دلچسپ تضاد یہ ہے کہ گھر سے باہر بدترین نوآبادیاتی نظام کے قیام کے ساتھ ساتھ اہل یورپ نے خود اپنے گھر کے اندر انسانی حقوق کی بازیافت اور ظلم و جبر اور استبداد و استحصال کے خاتمے کی بھرپور جدوجہد شروع کر دی۔

اس انقلابی جدوجہد کا پہلا نتیجہ اب سے دو سو سال قبل انقلاب فرانس کی صورت میں ظاہر ہوا جس سے دنیا میں بادشاہت اور جاگیرداری کے خاتمے اور جمہوریت کی مختلف صورتوں کے رواج کا آغاز ہوا۔ لیکن چونکہ اس کے ساتھ ہی سائنسی ترقی کے نتیجے میں "صنعتی انقلاب" بھی رونما ہو چکا تھا لہٰذا اس جمہوریت نے عملی اعتبار سے "سرمایہ داروں کی آمریت" اور ع "دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب" کی صورت اختیار کر لی، جس کا شدید رد عمل اس صدی کے آغاز میں "انقلابِ روس" کی صورت میں ظاہر ہوا۔

اور یہ وہ وقت تھا جب برعظیم پاک و ہند کے اس منظر پر علامہ اقبال فکرِ اسلامی

کی تجدید اور "الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیلِ جدید" کے دعوے اور اسلامی انقلاب کی زور دار دعوت کے ساتھ نمو دار ہوئے، جس کے پس منظر میں تصوفِ اسلامی اور الف ثانی کے مجدد شیخ احمد سرہندیؒ، علوم اسلامی کے مجدد اعظم شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور جہاد اسلامی کے مجدد سید احمد بریلویؒ کی تین سو سالہ تجدیدی مساعی کے اثرات موجود تھے۔

فکر کے میدان میں علامہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک جانب سائنس کو "روحِ قرآن" کا ظہور اور بروز، اور دوسری جانب عدل اجتماعی کی ان تمام اعلیٰ اقدار کو جن کا شعور یورپ میں اجاگر ہوا تھا "نورِ مصطفیٰ" (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مستعار قرار دے کر دین اور دنیا کے فرق، مذہب اور سیاست کی علیحدگی، اور مشرق و مغرب کے فاصلے کو آنِ واحد میں ختم کر کے رکھ دیا۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا زنورِ مصطفیؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیؐ ست!

چنانچہ یہ اسی کا مظہر ہے کہ حضرت علامہ نے "ری پبلکن طرزِ حکومت" کو اسلام کی روح کے عین مطابق قرار دیا۔ اور یہ تو ان کی جرأتِ رندانہ اور شانِ قلندری کا نمایاں ترین مظہر ہے کہ انہوں نے "مارکسزم + خدا = اسلام" کا فارمولا پیش کر دیا۔ اس لئے کہ اس میں کیا شک ہے کہ خدا کی حاکمیتِ مطلقہ کی تابع جمہوریت اور اللہ کی ربوبیتِ عامہ کے تقاضوں کو پورا کرنے اور کفالتِ عامہ کی ضمانت دینے والے نظام ہی کا نام "نظام خلافت" ہے، جس کا قائم کرنا مسلمانوں کا فرضِ منصبی اور اسلامی انقلاب کا مقصود و مطلوب ہے!

مزید برآں علامہ اقبال نے ایک جانب "ایمان" کا رشتہ ارسطو کی منطق یا افلاطون کے عالمِ مثال کی بجائے اعلیٰ ریاضی اور جدید طبیعات، فلکیات، حیاتیات اور

نفسیات کے ساتھ قائم کرنے کی سعیِ مشکور کا آغاز کیا جس سے "الٰہیاتِ اسلامیہ کی تشکیل جدید" کی راہ ہموار ہوئی ـــــ اور دوسری جانب "اسلام کا انقلابی فکر" بھی مرتّب اور مدوّن کردیا اور انقلاب کے طریق اور منہج کی بھی اجمالی نشاندہی کردی۔

اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید ـــ اور علامہ اقبال

علامہ اقبال نے یورپ کی علمی اور سائنسی ترقی کو روح قرآن کا ظہور اور بروز، اور عوام کے سیاسی اور معاشی حقوق کے تصور کو نورِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ماخوذ اور مستعار قرار دینے، اور اسلام کے علمِ کلام کو افلاطونی تصورات کی دلدل اور ارسطو کی منطق کی بھول بھلیوں سے نکال کر جدید تجرباتی علوم کی اساس پر استوار کرنے کے ساتھ ساتھ ایک جانب مغرب کے دو جدید عمرانی نظریات اور بنیادی سیاسی تصورات پر کڑی تنقید کرتے ہوئے مغربی تہذیب کو پوری خود اعتمادی اور جرأت رندانہ کے ساتھ چیلنج کیا، اور دوسری جانب نہ صرف یہ کہ اسلام کے اصل انقلابی فکر کی پوری "مجددانہ" شان کے ساتھ از سرِ نو تدوین کا فریضہ سرانجام دیا اور اللہ اور رسولؐ کے عطا کردہ نظام عدل اجتماعی کو عہد حاضر کی اعلیٰ ترین فکری سطح پر اور حقوق انسانی کے بلند ترین تصورات کے ساتھ ہم آہنگ کرکے پیش کیا، بلکہ انقلاب کا زور دار نعرہ لگاتے ہوئے اس کے منہج اور منہاج کو بھی کمال اختصار لیکن حد درجہ جامعیت کے ساتھ پیش کردیا۔

مغرب کے جن دو جدید عمرانی نظریات پر علامہ نے شدید تنقید کی وہ سیکولرزم اور نیشنلزم یعنی وطنی قومیت ہیں۔ اور ان کے ضمن میں علامہ کے خیالات اتنے واضح و بیّن اور معروف و مشہور ہیں کہ یہاں ان کی جانب صرف ایک اجمالی اشارہ کافی ہے۔ چنانچہ سیکولرزم علامہ کے نزدیک اس دور کا سب سے بڑا فتنہ اور دین اور سیاست کی علیحدگی فساد کی اصل جڑ ہے۔ مزید برآں انسانی حاکمیت کا تصور علامہ کے نزدیک کفر اور شرک ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ شخصی اور انفرادی ہو یا قومی اور

عوامی۔ اس موضوع پر علامہ کے مشہور اور عام فہم اشعار میں سے تو یہ دو شعر سب سے زیادہ نمایاں ہیں:۔

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی!

اور ۔

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری!

لیکن زیادہ لطیف انداز اور گہرے پیرائے میں یہ بات علامہ کی حیات مستعار کے بالکل آخری دور کی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کے اس شعر میں بیان ہوئی ہے کہ ۔

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر!

گویا علامہ کے نزدیک یورپ میں احیاء العلوم اور اصلاح مذہب کی تحریکوں کے زیر اثر آدم میں جو "خود شناسی" اور "خود نگری" کا شعور پیدا ہوا، وہ اصلاً تو درست تھا لیکن اسے ابلیس اور اس کے کارندوں نے "عوامی حاکمیت" کی صورت دے کر شیطنت کا سب سے بڑا مظہر اور ابلیس کا آلہ کار بنا دیا ہے۔ چنانچہ جو گندگی منوں اور ٹنوں کے حساب سے ماضی میں کسی فرعون اور کسی نمرود یا کسی قیصر اور کسی کسریٰ کے سر پر تاج کی صورت میں رکھی ہوتی تھی وہ آج تولہ تولہ یا ماشہ ماشہ ہر انسان کے سر پر لیپ دی گئی ہے، لیکن نجاست بہرحال نجاست ہے، خواہ منوں اور ٹنوں کے حساب سے ہو، خواہ تولوں اور ماشوں کی مقدار میں!

رہا وطنی قومیت کا جدید تصور تو اس کے ضمن میں تو واقعہ یہ ہے حضرت علامہ نے بارہ اشعار پر مشتمل جو نظم اردو میں کہی اور تین اشعار پر مشتمل جو قطعہ فارسی میں کہا ان کے بارے میں میں پورے وثوق کے ساتھ وہی بات کہنے کو تیار ہوں جو امام شافعیؒ نے سورۃ العصر کے بارے میں کہی ہے۔۔۔ اس موضوع پر امام شافعیؒ کا

زیادہ مشہور قول تو یہ ہے کہ "اگر لوگ صرف اس سورت پر تدبر کریں تو یہ ان (کی ہدایت) کے لئے کافی ہے!" لیکن ان کا ایک دوسرا زیادہ فصیح اور بلیغ قول وہ ہے جو مفتی محمد عبدہٗ نے اپنی تفسیر پارۂ عم میں نقل کیا ہے، یعنی: "اگر قرآن میں سوائے اس ایک سورت کے اور کچھ بھی نازل نہ ہوتا تب بھی یہ (لوگوں کی ہدایت) کے لئے کافی ہوتی!" ـــــ علیٰ ہٰذا القیاس مجھے یہ کہنے میں ہرگز کوئی باک نہیں ہے کہ اگر علامہ مرحوم نے ساری عمر میں صرف یہی اشعار کہے ہوتے تب بھی وہ خود اپنے ہی شعر ؎

"نظّارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفویؐ خاک میں اِس بُت کو ملا دے"

کے مصداق مغربی تمدن کے لئے سب سے بڑے "بت شکن" اور "قومیتِ اسلام" کے مجددِ اعظم قرار پانے کے مستحق ہوتے!

اس معاملے میں بھی یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت علامہ نے اپنی اردو نظم (مشمولہ "بانگ درا" صفحات ۲۶۰-۲۶۱) میں ایک "سیاسی تصور" کی حیثیت سے "وطن" کو ایک جانب عہدِ حاضر کے "تازہ خداؤں" میں سب سے بڑا خدا اور تہذیبِ جدید کے آزر کے تراشے ہوئے نئے اصنام میں سب سے بڑا "صنم" قرار دیا، گویا "وطنیت" کو سب سے بڑے شرک سے تعبیر کیا جو از روئے قرآن ناقابل معافی جرم ہے (سورۃ النساء آیات ۴۸ اور ۱۱۶) اور دوسری جانب نوع انسانی کے لئے نہایت تباہ کن اور مہلک بیماری قرار دیا، جس کے بطن سے "مخلوق خدا" میں تفرقہ و عداوت اور "اقوام جہاں" میں باہمی "رقابت" جنم لیتی ہے، جس کے نتیجے میں سیاست اخلاق سے "خالی" اور "تجارت" ذریعۂ "تسخیر" (یعنی امپریلزم کا آلہ) بن جاتی ہے ـــ اور ان سب کا نتیجہ یہ کہ "کمزور" اقوام تباہ و برباد ہو کر رہ جاتی ہیں اور ان کا گھر "غارت" ہو جاتا ہے!

رہا فارسی قطعہ تو اس کے ضمن میں اگرچہ مولانا حسین احمد مدنیؒ کا یہ اعتراض تو

بالکل بجا تھا کہ "میں نے ملت نہیں قوم کا لفظ استعمال کیا تھا!" اور اس پر حضرت علامہ نے بھی نہایت وسعتِ قلبی اور عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے معذرت کر لی تھی، لیکن مولانا مدنیؒ کے اس قول کے بارے میں کہ "میرا یہ کہنا کہ آج کل قومیں وطن سے بنتی ہیں محض خبریہ تھا، انشائیہ نہیں تھا" ان کی تمام تر جلالتِ قدر، اور ان کے تقویٰ و تدیّن اور مجاہدانہ سیرت و کردار کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ ایک بالکل مہمل بات تھی، اس لئے کہ مولانا ایک سیاسی اور مذہبی قائد تھے اور اس اعتبار سے ان کی ہر بات میں "انشاء" اور مشورہ کا رنگ ہونا بالکل فطری امر تھا۔ اور علامہ اقبال کی تنقید بھی اصلاً مغرب کے اس نظریئے ہی پر تھی کہ قوم وطن سے بنتی ہے! (ملت کا لفظ تو غالباً صرف ضرورتِ شعری کے تحت استعمال ہو گیا تھا۔) اور کفر اور شرک ایسے امراض ہر دور میں جو نئے لباس پہن کر اور نت نئے بھیس بدل کر اولادِ آدم کی گمراہی کے درپے ہوتے ہیں ان کی۔

"بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدت را می شناسم!"

کے انداز میں صحیح پہچان کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کا ایک خصوصی فضل ہوتا ہے جو اس دور میں مبدءِ فیض سے علامہ اقبال کو عطا ہوا تھا——— بقول خود ان کے کہ۔

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ!

قصہ مختصر، ایک جانب سیکولرزم اور عوامی حاکمیت اور دوسری جانب وطنی قومیت کی پر زور نفی کی اساس پر علامہ اقبال نے تہذیبِ جدید اور مغربی تمدن کو نہ صرف چیلنج کیا بلکہ "خبردار" بھی کیا کہ۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے وہ اب زرِ کم عیار ہوگا!

اور۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا !

اس مقام پر آگے پڑھنے سے قبل یہ جملۂ معترضہ عرض کئے بغیر نہیں رہا جارہا کہ "مسلم قومیت" کی اساس پر وجود میں آنے والے ملک میں' جس کے لئے ساری سیاسی جنگ "جداگانہ انتخابات" کی بنیاد پر لڑی گئی تھی' پینتالیس سالہ تعطل کے نتیجے میں نظریاتی انحراف اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ملک کی ایک بڑی سیاسی جماعت یعنی پاکستان پیپلزپارٹی تو برملا "مخلوط انتخابات" کا نعرہ لگارہی ہے' زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ مسلم لیگ کے بھی بعض سیکولر مزاج کارکن اور رہنما کم از کم نظریاتی سطح پر اسی کے راگ میں اپنی راگنی شامل کررہے ہیں' اور نوبت بایں جارسید کہ ۔

"اپنی ملّت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ"

اور ۔

"ان کی جمعیّت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری!"

کی بنیاد پر وجود میں آنے والے ملک میں شناختی کارڈ میں "مذہب" کے خانے کے اندراج پر اس قدر شور اور ہنگامہ برپا ہوا ہے کہ مذہبی جماعتوں کو ایجی ٹیشن کی دھمکی دینی پڑ رہی ہے !---- رہا قائداعظم مرحوم کا ۱۱ر اگست ۴۷ء والا جملہ تو اسے ایک وقتی مصلحت کے طور پر قبول کرنا تو بالکل دوسری بات ہے لیکن اگر مستقل فلسفے اور پاکستان کے دستور اور نظام کی مستقل اساس کے طور پر تسلیم کرلیا جائے تو یہ "نظریۂ پاکستان" کی صریح نفی اور مفکرِ مصورِ پاکستان کے افکار و نظریات سے کھلی بغاوت ہے ! جو نظریاتی سطح پر پاکستان کے جواز کے خاتمے اور' خاکم بدہن' بالآخر عملی طور پر سوویٹ یونین کے مانند پاکستان کے بھی نیست و نابود ہونے پر منتج ہوگی جبکہ پاکستان کی اس نظریاتی اساس کا استحکام اور اسی کی بنیاد پر ملک کے پورے دستوری اور قانونی

نظام کی تشکیل عالم انسانیت میں ایک نئی تہذیب کے رواج، ایک نئے تمدن کے قیام و فروغ، اور اس "نیو ورلڈ آرڈر" کی بجائے جو حقیقت کے اعتبار سے "جیو ورلڈ آرڈر" یعنی یہود کی بالادستی کا نظام ہے، ایک حقیقی اور واقعی منصفانہ عالمی نظام (Just World Order) کے قیام کا نقطۂ آغاز بن جائے گی۔ اور چونکہ یہی وہ چیز ہے جو ابلیس لعین اور اس کی تمام صلبی اور معنوی ذریت (اولاد) اور یہود اور ان کے آلہ کار "وہائٹ اینگلو سیکسن پروٹسٹنٹس" (WASP) کو ناپسند ہے، لہٰذا پاکستان میں اس منزل مقصود کی جانب کوئی چھوٹے سے چھوٹا، اور حقیر سے حقیر اقدام بھی ابلیس اور اس کے ملکی اور غیر ملکی کارندوں کو سخت ناگوار ہوتا ہے!

"ابلیس کی مجلس شوریٰ" نامی نظم حضرت علامہ نے ۱۹۳۶ء میں اپنے انتقال سے زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو سال قبل کہی تھی اور ان کے اردو کلام میں شعریت کے اعتبار سے تو بعض دوسری نظمیں اس کے مقابلے میں بہت بلند مرتبہ و مقام کی حامل ہیں، لیکن "امتِ مسلمہ کے نام پیغام" کے اعتبار سے، اس میں ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ، اسی کو ان کے "خاتمہ کلام" اور "پیامِ آخریں" کی حیثیت حاصل ہے۔ اور اس کا "حاصل کلام" یا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ ابلیسیت کو کوئی خطرہ نہ جمہوریت سے ہے، نہ اشتراکیت سے بلکہ صرف اور صرف اسلام سے ہے۔ اس لئے کہ جہاں تک مغرب کی نام نہاد جمہوریت کا تعلق ہے وہ محض "ملوکیت کا اک پردہ" ہے اور اس کی حقیقت ع

"چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر"

کے سوا اور کچھ نہیں (اس لئے کہ وہ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے "سرمایہ داروں کی آمریت" ہے)۔ اسی طرح اشتراکیت بھی قدیم "مزدکی منطق کی سوزن" سے نوع انسان کے گریبانوں کے چاک کو رفو نہیں کر سکتی، بقول ابلیس۔

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روز گار، آشفتہ مغز، آشفتہ ہو!

لہٰذا ۔

ہے اگر کوئی خطر مجھ کو تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو !

اور ۔

جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں ، اسلام ہے !

اسلام سے اس خوف اور خطرے کے مقابلے میں ابلیس کو اگرچہ یہ تسلی اور اطمینان حاصل ہے کہ ایک جانب تو مسلمانوں کی عمل کے اعتبار سے حقیقی اور واقعی صورت حال یہ ہے کہ ۔

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں!

اور ۔

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں !

اور دوسری جانب نام نہاد "اہل ایمان" کے ایمان کی واقعی کیفیت یہ ہے کہ وہ "یقین" کی بجائے محض ایک "عقیدہ" بن کر رہ گیا ہے یعنی ع

یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں!

اور ۔

زندہ قوت تھی زمانے میں یہ توحید کبھی
اور اب کیا ہے فقط اک مسئلۂ علمِ کلام !

تاہم چونکہ تاریخ کے بہاؤ کا رخ لامحالہ "تلاش مصطفیٰ" کی جانب ہے لہٰذا ابلیس کو یہ اندیشہ بھی لاحق ہے کہ ۔

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ ہوجائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں!

اور اس کے بعد کے چار اشعار تو نہ صرف یہ کہ اس طویل نظم کی اصل جان ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی یا نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فہم علامہ اقبال کو زندگی بھر کے مطالعے اور غور و فکر کے ذریعے حاصل ہوا تھا اس کی تعبیر کے ضمن میں "سہلِ ممتنع" کی بھی اعلیٰ ترین مثال ہیں اور "جوامع الکلم" کی بھی بہترین نظیر! چنانچہ:

(۱) ۔ الحذر! آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر!
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں

کی رُو سے حضرت علامہ کے نزدیک اسلام کے سماجی اور معاشرتی نظام کی دو بنیادیں یہ ہیں کہ (i) اس میں عورتوں کی عصمت و عفت اور عزت و ناموس کی حفاظت کو اولین مقصد اور ہدف کی حیثیت حاصل ہے ۔ اور (ii) اس میں مشکل اور مشقت طلب فرائض (جیسے طلبِ معاش اور دفاعِ ملک و ملت) کا بوجھ مرد پر ڈالا گیا ہے، عورت پر نہیں!

(۲) ۔ موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے گدائے رہ نشیں!

کے مطابق اسلام کا سیاسی نظام "تمیز بندہ و آقا" کے خاتمے کے اصول پر مبنی ہے، جس کی ایک ہی صورت ممکن ہے۔ یعنی یہ کہ حاکمیت صرف اللہ کے لئے تسلیم کی جائے، بقول اقبال ۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری!

اور تمام انسان حدیثِ نبویؐ میں وارد الفاظ "کُونُوا عِبادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا" کے مطابق ایک جانب اللہ کے بندے اور دوسری جانب آپس میں بھائی بھائی بن جائیں ـــــ

اور صرف عقیدہ اور نظریہ کے علاوہ کوئی دوسری تمیز و تفریق اور اونچ نیچ انسانوں کے مابین باقی نہ رہے! بفحوائے ۔

کُلُّ مُؤمِن اِخْوَۃٌ اندر دلش
حریّت سرمایۂ آب و گلش

اور ۔

ناشکیبِ امتیازات آمدہ
در نہادِ اُو مساوات آمدہ!

جس کا منطقی نتیجہ ہے کہ اسلام روئے ارضی پر اللہ کی حاکمیت اور مسلمانوں کی خلافت کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے گویا ۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر!

(۳) اقبال کی جامعیت کا نمایاں مظہر یہ بھی ہے کہ جہاں مابعد الطبیعات ان کا اصل موضوع تھا وہاں انہیں اقتصادیات سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ ان سے بڑھ کر کون اس حقیقت سے واقف ہو سکتا تھا کہ آج کی دنیا میں سب سے زیادہ اہمیت معاشیات کو حاصل ہے اور آج کا انسان بالفعل "معاشی حیوان" بن چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن چار اشعار پر اس وقت گفتگو ہو رہی ہے' ان میں سے دو کا تعلق اسلام کے اقتصادی تصورات سے ہے۔ چنانچہ ایک جانب "سرمایہ" کے بارے میں فرمایا: ۔

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں!

اور دوسری جانب "زمینداری" کی جڑ یہ کہہ کر کاٹ دی کہ ۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں' اللہ کی ہے یہ زمیں!

اس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام کے سماجی انصاف کے نظام کے ضمن میں علامہ اقبال نے توحیدِ الٰہی کے تینوں منطقی نتائج کو خود بھی کماحقہ سمجھا اور اللہ کے فضل و کرم سے انہیں اپنے اشعار کے ذریعے سمجھانے اور عام کرنے کا حق بھی پوری طرح ادا کردیا۔ یعنی (i) یہ کہ چونکہ تمام انسان ایک ہی خالق کے پیدا کردہ (مزید برآں ایک ہی انسانی جوڑے کی نسل سے ہیں) لہٰذا ان کے مابین پیدائشی طور پر نسل، رنگ یا صنف کی بنا پر کوئی اونچ نیچ نہیں ہے (ii) یہ کہ "حاکمیتِ مطلقہ" صرف اللہ کے لئے ہے اور انسانوں کے لئے محض "خلافت" ہے۔ اور (iii) یہ کہ "ملکیتِ تامہ" بھی صرف اللہ ہی کے لئے ہے، اور انسان کے لئے زمین سمیت کل مال و دولت صرف "امانت" کے حکم میں ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ ۔

ایں امانت چند روزہ نزدِ ماست
در حقیقت مالکِ ہر شے خداست!

اور بقولِ اقبال ع

بندۂ مومن امیں، حق مالک است !

ان میں سے جہاں تک "سیاستِ خلافت" کا تعلق ہے اس پر کچھ ہی دنوں قبل ان کالموں میں بھی مفصل گفتگو ہو چکی ہے، مزید برآں متعدد سیمینار بھی منعقد کئے جا چکے ہیں، لہٰذا اس کے بارے میں کسی مزید وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جہاں تک معاشی عدل و انصاف کے ضمن میں اسلام کی تعلیمات کا تعلق ہے، اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ان کی حقیقت اور اہمیت جس شدت و حدت اور گہرائی و گیرائی کے ساتھ علامہ اقبال پر منکشف ہوئی اس کی کوئی مثال کم از کم انیسویں اور بیسویں صدی کے مفکرینِ اسلام اور داعیانِ دین میں سے کسی کے یہاں نہیں ملتی۔

چنانچہ یہ شعور و ادراک تو بحمد اللہ عام ہے کہ اسلام نے اپنے معاشی نظام میں ذاتی منفعت کے جبلی تقاضوں کو مناسب حد تک ملحوظ رکھ کر "سرمایہ کاری" کے لئے

تو پوری فضا برقرار رکھی، لیکن "سرمایہ داری" کی لعنت کی جڑ سود کی حرمت کے ذریعے کاٹ کر رکھ دی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ "ربا" کی خباثت و شناعت کے احساس و ادراک کے ضمن میں جس "جوہرِ اندیشہ کی گرمی" اقبال کے یہاں نظر آتی ہے وہ کم از کم راقم کی محدود معلومات کی حد تک کسی دوسرے مفکر یا عالم کے یہاں موجود نہیں ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں:۔

از ربا آخر چہ می زاید؟ فتن!
کس نہ داند لذتِ قرضِ حسن

اور۔

از ربا جاں تیرہ، دل چوں خشت و سنگ
آدمی درندہ بے دندان و چنگ!

(اس ضمن میں احساس کی شدت اور حدت کے اعتبار سے اگر کوئی دوسرا شخص اقبال کے آس پاس نظر آیا تو وہ بھی حسنِ اتفاق سے ایک کشمیری شیخ ہی تھا۔ یعنی شیخ محمود احمد مرحوم جن کی مختصر کتاب "سود کی متبادل اساس" تو اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور سے شائع ہو چکی ہے، لیکن اصل معرکۃ الآراء تصنیف "انسان اور سرمایہ" (Man and Money) ابھی زیرِ طباعت ہے۔ لیکن صرف انگریزی میں!)

تاہم سود کی حرمت کے مسئلے پر تو پھر بھی غنیمت ہے کہ علماءِ دین کا اجماع ہے (اگرچہ دورِ ملوکیت میں پروان چڑھنے والی فقہ نے "بیعِ مؤجل" اور "بیع مرابحہ" کی اساس پر شرعی حیلوں کے ذریعے سود خوروں کے اطمینان و تسکین کا سامان فراہم کر رکھا ہے) لیکن "زمین کے سود" یعنی غیر حاضر زمینداری اور مزارعت کو تو امامِ اعظم حضرت ابو حنیفہؒ اور امام دارالہجرت حضرت مالکؒ کے فتووں کے علی الرغم تمام علمائے دین نے شیرِ مادر کی طرح حلال و طیب قرار دے رکھا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ علامہ اقبال کے ہاتھوں اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید کا نہایت اہم اور نمایاں مظہر

ہے کہ اس مسئلے پر بھی انہوں نے نہایت واضح اور دوٹوک بات کی۔ چنانچہ ایک جانب فلسفہ اور نظریہ کی سطح پر انہوں نے زمین کی ملکیت کی کلی نفی کی کہ ع

پادشاہوں کی نہیں' اللہ کی ہے یہ زمیں!

اور۔

وہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں' تیری نہیں
تیرے آباء کی نہیں ' تیری نہیں ' میری نہیں!

اور۔

رزقِ خود را از زمیں بردن رواست
ایں متاعِ بندہ و ملک خداست!

اور دوسری جانب عملی سطح پر امام اعظمؒ اور امام دارالہجرتؒ کی آراء سے ہم آہنگی اختیار کرتے ہوئے حضرت علامہ نے زراعت میں مزارعت یعنی بٹائی کے نظام کو اللہ کی رحمت اور برکت سے محرومی کا سبب قرار دیا۔ بنحوائے :۔

خدا آں ملتے را سر وری داد
کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت!
بہ آں قومے سروکارے نہ دارد
کہ دہقانش برائے دیگراں کشت!

چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں تو ان کی شان بالکل "منفرد" ہے!

بہرحال' اسلام کے اس انقلابی فکر کی تجدید کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ علامہ اقبال نے "انقلاب" کا نعرہ بلند کیا۔ اور اس کے لئے خاص طور پر سرمایہ داری' زمینداری اور جاگیرداری ہی کے خلاف اعلان جہاد کیا ـــــ یعنی :۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعل ناب
از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب! انقلاب!! اے انقلاب!!!

لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی۔ حضرت علامہ نے اسلامی انقلاب کا ہدف معین کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو برپا کرنے کے منہج اور منہاج کو بھی کمال جامعیت اور غایت اختصار کے ساتھ واضح کردیا۔ چنانچہ اس موضوع پر ان کا ایک شعر تو الہامی ہی نہیں "معجزانہ" ہے! تاہم اس کا ذکر بعد میں ہوگا۔ پہلے یہ بات واضح ہوجائے کہ علامہ کے نزدیک اسلامی انقلاب کی جدوجہد کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کو لوگوں کے "اندر" اتارا جائے جس سے ان کے ذہن و فکر، نظریات و خیالات، اہداف و مقاصد اور اقدار و ترجیحات میں "انقلاب" برپا ہوجائے۔ اور وہ "اندر سے" بالکل تبدیل ہو کر رہ جائیں۔ اس لئے کہ عالم انسانیت میں یہ باطنی اور نفسیاتی تبدیلی اور شخصی و انفرادی انقلاب ہی عالمی انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ چنانچہ عظمتِ قرآن کے بیان میں فرماتے ہیں۔

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود!

واضح رہے کہ اسی کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۵۲ میں "جہاد بالقرآن" یعنی قرآن کے ذریعے جہاد سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجٰهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝

"تو (اے نبیؐ) آپ ان کافروں کا کہنا نہ مانیں اور ان کے ساتھ جہاد جاری رکھیں اس (قرآن) کے ذریعے، پوری شدت اور قوت والا جہاد!"

اس لئے کہ یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے مرحلۂ اول یعنی دعوت و تبلیغ کا کل مبنیٰ و مدار، اور مرکز و محور صرف اور صرف قرآن حکیم ہے، چنانچہ اسی کے ذریعے وعظ و نصیحت، انذار و تبشیر، اور تذکیر و تلقین، گویا فی الجملہ اسی کی تبلیغ و تعلیم اسلامی انقلابی جدوجہد کا پہلا مرحلہ ہے، لیکن یہ حقیقت کہ تزکیہ و تربیت کا آلہ اور ذریعہ بھی قرآن حکیم ہی ہے اور شیطان لعین اور اس کی صلبی اور معنوی اولاد کے مقابلے کے لئے بھی واحد تلوار اور ہتھیار اللہ کی کتاب ہی

ہے' جس شدت کے ساتھ اقبال پر منکشف ہوئی اور جس قدر وضاحت کے ساتھ انہوں نے اسے بیان کیا اس کی بھی کوئی دوسری مثال کم از کم راقم کے علم میں موجود نہیں ہے! (اس موضوع پر بھی چونکہ ان کالموں میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے' لہٰذا تفصیل کی ضرورت نہیں ہے!) ـــــ ان کے ساتھ دو مراحل کا مزید اضافہ کر لیا جائے یعنی ایک تنظیم جس پر گفتگو ہو چکی ہے' اور دوسرے صبرِ محض یا عدم تشدد یا صحیح تر الفاظ میں "عدمِ انتقام" جس پر گفتگو ابھی باقی ہے' تو علامہ اقبال کے متذکرۂ صدر "معجزانہ" شعر کا مصرعہ اول مکمل ہو جاتا ہے' یعنی: ع

"با نشۂ درویشی در ساز و دما دم زن!"

اس لئے کہ ان چار مراحل کے دوران اسلامی انقلاب کے لئے کوشاں کارکنوں اور مجاہدوں کا نقشہ واقعی طور پر اور لامحالہ بدھ مت کے بھکشوؤں' اور حضرتِ عیسیٰؑ کے حواریوں ہی سے مشابہ ہوتا ہے۔ یعنی گالیاں سنو اور دعائیں دو' پتھر کھاؤ اور پھول پیش کرو' اور سائلوں کی طرح دعوت دو' اور بھکاریوں کی طرح در در کی ٹھوکریں کھاؤ' اور اف تک نہ کرو بلکہ صبر کرو اور اپنی جدوجہد کو "دما دم زن" کے انداز میں جاری رکھو! چنانچہ مکی دور کے بارہ سالوں کے دوران مسلسل یہی ہدایات اللہ تعالیٰ کی جانب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو' اور آنحضورؐ کی جانب سے صحابہ کرامؓ کو ملتی رہیں کہ

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ○ (المدثر: ۷)

"اور اپنے رب (کی خوشنودگی) کے لئے صبر کرو!"

اور

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ○ (الحجر: ۹۷)

"ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس سے آپ کا سینہ بھنچتا ہے"

لیکن اس کے باوجود

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ○ (المزمل:۱۰)

"صبر کرو اس پر جو یہ کہہ رہے ہیں اور ان سے کنارہ کشی بھی کرو تو خوبصورتی کے ساتھ"

اور

فَاصْبِرْ لِحُکْمِ رَبِّکَ وَلَا تَکُنْ کَصَاحِبِ الْحُوْتِ ○ (القلم:۴۸)

"صبر کے ساتھ انتظار کرو اپنے رب کے حکم کا اور مت ہوجاؤ اس مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کی مانند (جنہوں نے عجلت سے کام لیا تھا)"

اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ شریعت کے مستقل اور ابدی قانون سے حکمِ قصاص ساقط ہوگیا تھا، یا صحابہ کرامؓ کی طبعِ بشری بدل گئی تھی اور اس میں جوشِ انتقام پیدا ہی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ یہ صرف انقلابی جدوجہد کے ابتدائی مراحل کا وقتی تقاضا تھا۔ چنانچہ خود سورۃ الشوریٰ میں جو مکی دور کے بھی وسط میں نازل ہوئی تھی، اہلِ ایمان کا یہ وصف مقامِ مدح میں مذکور ہے کہ

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ○ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا (آیات ۳۹، ۴۰)

"اور وہ کہ جن پر زیادتی کی جائے تو وہ بدلہ لیتے ہیں! اور برائی کا بدلہ تو یقیناً ویسی ہی برائی ہے!"

تاہم یہ کُفُّوْٓا اَیْدِیَکُمْ "اپنے ہاتھ روکے رکھو" (سورۃ النساء:۷۷) کا وقتی حکم کچھ ایسی کیفیت کے ساتھ تھا کہ ؎

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!

اس لئے کہ جیسے ہی یثرب کی جانب ہجرت ہوئی اور فضلِ خداوندی سے آنحضورؐ کی انقلابی جدوجہد کو "اقدام اور چیلنج" کے لئے مرکز اور قاعدہ (مورچہ) میسر آگیا اہل ایمان کے ہاتھ کھول دئے گئے اور اذنِ قتال نازل ہوگیا یعنی:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا (الحج: ۳۹)

"اجازت دیدی گئی انہیں جو جنگ کر رہے ہیں (یا اختلافِ قراءت کی بنا پر: جن پر جنگ مسلط کردی گئی ہے!) اس لئے کہ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے!"

اور پھر جب اس کے نتیجے میں کچھ ہی دنوں بعد مسلح تصادم اور قتال فی سبیلِ اللہ کا آخری مرحلہ شروع ہوگیا تو اولاً سورۃ البقرہ کی آیت ۱۹۳ میں اور پھر مزید وضاحت اور صراحت کے ساتھ سورۃ الانفال کی آیت ۳۹ میں حکم دے دیا گیا کہ "ان (کافروں) سے جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ بالکل فرو ہوجائے اور دین کل کا کل اللہ ہی کے لئے ہوجائے!"—— یعنی اللہ کی زمین سے باطل کی حکمرانی کا قلع قمع ہوجائے اور اس کے باغیوں اور سرکشوں کی حکومتوں کے تختے الٹ دئے جائیں اور "حق بحقدار رسید!" کے مصداق اللہ کی زمین پر اللہ ہی کی حکومت (یا انجیل کی اصطلاح میں "آسمانی بادشاہت") قائم ہوجائے۔

چنانچہ اقدام اور چیلنج اور مسلح یا غیر مسلح تصادم کے ان مراحل کو اقبال نے کمالِ جامعیت و اختصار، اور معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ سمو دیا اپنے متذکرہ بالا شعر کے دوسرے مصرعے میں۔ یعنی: ع

"چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!"

اور اسی کے لئے وہ مسلسل پکارتے، ابھارتے، اور للکارتے رہے امتِ مسلمہ بالخصوص اس کی "مذہبی قیادت" کو جو مدرسہ اور خانقاہ اور علماء اور صوفیاء میں منقسم تھی اور جس کے بارے میں ان کے مشاہدات اور تاثرات کا اظہار ان کے ان الفاظ کے ذریعے بخوبی ہوجاتا ہے کہ ع

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک!

یہی وجہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے ایک جانب اس وجودی تصوف کی شدت کے ساتھ مخالفت کی جس کے زیرِ اثر خام طبائع میں عمل، اقدام، اور جہاد کی بجائے تعطل، گریز،

اور جمود کی کیفیات پیدا ہوتی ہیں، اور نہ صرف یہ کہ اہلِ تصوف کو زوردار دعوت دی کہ ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؓ
کہ رسمِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری!

بلکہ یہ بھی بتایا کہ یہ تو مسلمانوں کے بارے میں ابلیس لعین کی اپنے کارندوں کو اہم ہدایت ہے کہ ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

اور دوسری طرف علماءِ دین کو بھی جھنجوڑنے کی بھرپور کوشش کی۔ چنانچہ ان کے جو شاہکار اشعار ان کے مرقد کی زینت بنے ہوئے ہیں ان میں یہ قطعہ بھی شامل ہے کہ ؎

بیا تا کارِ ایں امت بسازیم
قمارِ زندگی مردانہ بازیم

اور ؎

چناں نالیم اندر مسجدِ شہر
دلے در سینۂ ملّا گدازیم!

تاہم ان کا اصل خطاب مسلمانانِ ہند کی جدید تعلیم یافتہ نوجوان نسل سے تھا جس کے دلوں کو انہوں نے کبھی تو عظمتِ رفتہ اور سطوتِ گذشتہ کی یاد سے گرمانے کی کوشش بھی کی کہ ؎

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا!

اور کبھی ان کے جوشِ عمل کو مستقبل کے بارے میں امید افزا پیشینگوئیوں اور مغرب کے زوال اور اسلام کے عروج کی ع "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید!" کے

سے انداز کی خبروں کے ذریعے ابھارا۔ جیسے۔

کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

اور۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، شجاعت کا، عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ علامہ اقبال کی اس ملی شاعری نے مسلمانانِ ہند کے نوجوان طبقے کے دلوں سے اس یاس اور ناامیدی کے اندھیاروں کو کافور کردیا جس کا نمایاں ترین مظہر قومی شاعر ہونے کے اعتبار سے علامہ کے پیشرو مولانا حالی کی شہرۂ آفاق مسدس کی ابتداء اور اختتام کے یہ دلدوز اشعار ہیں۔

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے!
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے!

اور۔

اے خاصۂ خاصانِ رسلؐ وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے!
وہ دیں جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے!

بایں ہمہ یہ واقعہ اپنی جگہ ناقابل انکار ہے کہ علامہ اقبال نے اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید کے اس عظیم الشان کارنامے، اور انقلاب کے منہج اور منہاج کی واضح نشاندہی کی عظیم خدمت، اور مسلمانانِ ہند کے جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے طبقے میں ایک جذبہ عمل پیدا کرنے کی بھرپور سعی کے باوجود خود نہ کسی احیائی تحریک کا آغاز

کیا، نہ ہی کسی جماعت کی تاسیس کی۔ اور اسی بنا پر ہم نے اس سے قبل انہیں شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے مشابہ قرار دیا تھا، جو اگرچہ خود تو آخر وقت تک صرف ایک گوشہ نشین درویش اور معلم و مصنف ہی رہے لیکن انہوں نے ایک جانب مسلمانانِ ہند کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لئے افغانستان سے احمد شاہ ابدالی کو بلایا، اور دوسری جانب صحیح علم و عمل کی وہ فضا پیدا کردی جس کے نتیجے میں دوسری ہی نسل میں سید احمد بریلویؒ کی قیادت و امارت اور شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسماعیلؒ کی معاونت و مبایعت سے تحریکِ مجاہدین ایسی عظیم تحریک برپا ہوگئی۔ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ بالکل اسی طرح علامہ مرحوم نے بھی مسلمانانِ ہند کی قومی جدوجہد کی کشتی کی ناخدائی کے لئے بلایا قائدِاعظم محمد علی جناح کو انگلستان سے، اور خود اپنی بھی عملی سرگرمی کو اسی قومی دائرے میں محدود رکھا—— لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ ان ہی کی "تجدیدِ فکر اسلامی" تھی جس کے نتیجے میں اولاً مولانا ابوالکلام آزاد نے "حکومتِ الٰہیہ" کا نعرہ لگایا اور "حزب اللہ" قائم کی اور بعد ازاں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی میدان میں اترے، جنہیں حضرت علامہ ہی نے پنجاب نقل مکانی کی دعوت دی جہاں کی فضا علامہ کی ملی شاعری کے ذریعے بہت ہموار اور سازگار ہوچکی تھی۔ تاہم اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو آئندہ صحبت میں ہوگی۔

اسلام کا انقلابی فکر اور اس سے انحراف کی راہیں (۲)

عنوانِ مندرجہ بالا پر پہلی قسط پانچ ہفتے قبل ۲۳ر اکتوبر کو شائع ہوئی تھی۔ اس جملۂ معترضہ کی طوالت پر معذرت گذشتہ نشست میں پیش کی جا چکی ہے۔ اب آج کی صحبت میں اس بحث کو لازماً سمیٹنا ہے تاکہ اپنے اصل موضوع کی جانب مراجعت کی جا سکے۔

اس دوران میں "اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید اور علامہ اقبال" اور "فکرِ اقبال کی تعمیل کا تاریخی جائزہ" کے عنوان سے جو کچھ لکھا گیا شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ جمعہ

۱۳ نومبر کو ملتان میں "فاران اکیڈمی" کے زیرِ اہتمام "یومِ اقبال" کی جو تقریب منعقد ہوئی اس میں نہ صرف یہ کہ مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے مجھے مدعو کیا گیا بلکہ میرے خطاب کا عنوان بھی "عصرِ حاضر کے فکری تقاضے اور علامہ اقبال" رکھا گیا۔ وہاں جو مختصر خطبۂ استقبالیہ پروفیسر حفیظ الرحمٰن صاحب نے پڑھا اس کا آغاز ایران کے ملک الشعراء بہار کے اس شعر سے ہوا کہ ؎

عصرِ حاضر خاصۂ اقبال گشت
واحدے کز صد ہزاراں بر گذشت!

اس سے جہاں اس خیال کی مزید توثیق ہوئی کہ ایران کے حالیہ انقلاب کی بنیاد میں اقبال کا فکر کارفرما ہے، وہاں حضرت بہزاد لکھنوی کے اس مصرعے کے مطابق کہ ع "حسرت آتی ہے یہ پہنچا، میں رہا جاتا ہوں!" اس حسرت میں بھی اضافہ ہوا کہ ع "گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا!" کے مصداق ہم اقبال کے خوابوں کی سرزمین میں بسنے والے مسلمان تاحال کبھی خالص سیکولر اور کبھی نیم مذہبی مارشل لاء یا مغرب کے سیکولر جمہوری نظام کی بھونڈی نقالی کے چکر ہی سے نہیں نکل پائے۔ تاہم غنیمت ہے کہ وہ "مردِ تن آساں" ہم ایسے "تن آسانوں" کو یہ دلاسہ بھی دے گیا ہے کہ ؎

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی!

اور ؎

نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی!

سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص روحانی اور نفسیاتی پس منظر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے وہ احسانات یاد دلائے ہیں جو آپؐ پر حیاتِ دنیوی کے ابتدائی دور میں ہوئے تھے، یعنی:

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ○ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ○ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ○

"کیا نہیں پایا آپؐ کو یتیمی کی حالت میں تو پناہ دی' اور پایا آپؐ کو تلاشِ حق میں سرگرداں تو ہدایت (کاملہ) سے سرفراز فرما دیا' اور پایا آپؐ کو تنگدست تو غنی کر دیا!"

اسی ہدایتِ خداوندی پر عمل کرتے ہوئے اگر ہم اللہ کے ان عظیم احسانات کا جائزہ لیں جو مستقبل کے اسلامی انقلاب کے ضمن میں ملتِ اسلامیہ پاکستان پر ہوئے ہیں تو مایوسی کے بادل چھٹنے لگتے ہیں' اور حسنِ اتفاق سے میرے نزدیک یہ بھی تعداد میں تین ہی ہیں' یعنی: (۱) اولین اور اہم ترین یہ کہ اسلام کے اجتماعی فکر اور حرکی تصورات کی تجدید اور احیاء کا کام بحمد اللہ بتمام وکمال علامہ اقبال اور بعض دوسرے مفکرین اور مصنفین کے ہاتھوں سرانجام پا چکا ہے۔ چنانچہ ایمانی حقائق کا اثبات بھی عہدِ حاضر کی فکری سطح اور اعلیٰ ریاضی و طبعیات' اور اعلیٰ نفسیات کی اساس پر علامہ کے "خطبات" کے ذریعے ہو چکا ہے' اور اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت بھی اقبال کے اشعار اور دوسرے حضرات کی تصانیف کے ذریعے ہو چکی ہے۔ (۲) اقبال نے ہندوستان کے شمال مغربی علاقے پر مشتمل جس "آزاد مسلمان ریاست" کی خوشخبری اپنے ۱۹۳۰ء کے خطبۂ الٰہ آباد میں دی تھی وہ بھی ہماری تمام نااہلیوں اور نالائقیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم کے نتیجے میں ابھی ثابت وسالم موجود ہے۔ (اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں سورۂ "ق" کے الفاظ: "لَدُیْنَا مَزِیْدٌ" اور سورۂ بنی اسرائیل کے الفاظ: "نَافِلَۃً لَّکَ" کے مطابق دو خطوں پر مشتمل پاکستان عطا فرمایا تھا' یہ سراسر ہماری نا اہلی تھی کہ ہم اسے دولخت کرا بیٹھے' اور واقعہ یہ ہے کہ یہ بچا کھچا پاکستان بھی محض اللہ کے فضل وکرم ہی سے قائم ہے ورنہ ؎

"ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا!"

کے مصداق ہم نے تو اسے بھی برباد کرنے میں اپنی جانب سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ (اس ضمن میں ۶۹ ـ ۶۸ء کے لگ بھگ راقم نے اپنا یہ تاثر پروفیسر مرزا محمد منور کے سامنے بیان کیا کہ: "مجھے تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جب ہم ٹیڑھے ہونے لگتے ہیں تو اللہ پوری کائنات کو ٹیڑھا کر کے ہمارے ساتھ سازگار اور ہم آہنگ کر دیتا ہے" تو اس سے مرزا صاحب بھی بہت محظوظ اور متاثر ہوئے تھے۔)

(۳) آخری، لیکن اہمیت میں ہرگز کم نہیں، یہ کہ اگرچہ ہماری اب تک کی احیائی مساعی کا کوئی ٹھوس اور محسوس عملی نتیجہ تو تاحال برآمد نہیں ہو سکا تاہم ان کا یہ ثمرہ ہمیں بالفعل حاصل ہے کہ ایک کثیر تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں، اور ان میں ایک معتدبہ تعداد تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ہے، جن کے دلوں میں احیائے اسلام اور غلبۂ دین کا جذبہ شدت کے ساتھ موجزن ہے۔ اور وہ محسوس کرتے ہیں کہ اقامتِ دین کی منظم اجتماعی جدوجہد اور اس کے لئے تن من دھن کی قربانی ان کا دینی فریضہ ہے ---- اور اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس "ابتدائی سرمائے" کی قدر کرتے ہوئے، اور سابقہ غلطیوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے اس جدوجہد کو ع

"چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی!"

اور ع

"اک فصل پکی تو بھر پایا تب تک تو یہی کچھ کرنا ہے!"

کے انداز میں جاری رکھا جائے اور حتی الامکان آگے بڑھایا جائے۔

اس سلسلے میں فی الوقت کرنے کا اہم ترین کام یہ ہے کہ دین کے ان اجتماعی اور تحریکی، یا بالفاظِ دیگر "انقلابی" تصورات کو برقرار رکھا جائے جو بہت طویل عرصے کے بعد از سرِ نو اجاگر ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ ایک جانب تو وقت کا ماحول اس کے ساتھ مطابقت اور موافقت نہیں رکھتا اور ـ

"آرزو اول تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
اور ہو جائے تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام!"

کے مصداق نہ زمین اسے غذا دیتی ہے نہ فضا' اور دوسری جانب نہ صرف یہ کہ مختلف احیائی تحریکوں کی وقتی اور فوری ناکامیوں کے طبعی نتیجے کے طور پر ان افکار اور تصورات کی کریڈ یبلٹی کو خطرہ لاحق ہے' بلکہ بعض شکست خوردہ ذہنیت کے حامل لوگ جو کسی داخلی یا خارجی سبب کے باعث ان تحریکوں کے ساتھ نہیں چل پائے اور یا خود علیحدہ ہو گئے یا نکال دیے گئے' ایک مریضانہ نفسیاتی ردِّعمل کے تحت اس فکر ہی کو مجروح کرنے پر تل گئے ہیں۔

اوپر دین کے اجتماعی اور عمرانی فکر' اور فرائضِ دینی کے تحریکی یا انقلابی تصور کے فروغ کی راہ کے موانع کے ضمن میں زمین اور فضا دونوں کی عدم موافقت کا جو ذکر آیا ہے وہ محض رواروی یا قلم کی روانی میں نہیں ہے' بلکہ ایک سوچی سمجھی تشبیہ ہے۔ اس لئے کہ ایک جانب مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے ذہنوں میں دین کا جو محدود اور جامد مذہبی تصور صدیوں کے تعامل کے باعث راسخ ہو چکا ہے فی الواقع اس بنجر اور سنگلاخ زمین کے مانند ہے جو کسی حرکی اور انقلابی تصور کو غذا دینے سے انکاری اور اس کے فروغ کی راہ کا سب سے بڑا پتھر ہے' اور دوسری جانب مادہ پرستانہ افکار ونظریات' سیکولر نظامِ ریاست وسیاست' اور مخلوط اور اباحیت پسندانہ معاشرت وثقافت' جو اس وقت پورے کرۂ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے' یقیناً اس آسمان کے مانند ہے جو اسلام کے حقیقی اور جامع تصور کے "شجرۂ طیبہ" کو پنپنے کی اجازت دینے سے انکاری ہے۔ (یہ دوسری بات ہے کہ اسلام کے عالمی غلبے کی "تقدیر مبرم" ـــــ "وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ" اور "وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ" کے علی الرغم پوری ہو گی۔) ستم بالائے ستم یہ ہے کہ جیسے ہر چہار جانب افق پر زمین اور آسمان باہم بغلگیر نظر آتے ہیں' بالکل اسی طرح دین کا محدود مذہبی تصور اور عالمی سیکولر تہذیب بھی ایک دوسرے کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ اور ہم آغوش ہیں۔ اس لئے کہ سیکولر نظام کا تو اصل الاصول ہی یہ ہے کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے۔ چنانچہ اس اعتبار سے وہ کامل "رواداری" کا مظاہرہ کرتا ہے کہ جملہ مذاہب کو

تسلیم کرتے ہوئے ان سب کو اپنے پہلو میں جگہ دینے کے لئے تیار ہے۔ اسے کوئی خطرہ اور اندیشہ اگر ہے تو اسلام کے صرف اس اجتماعی تصور سے ہے جو پوری زندگی پر اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ اور اس کی جنگ اگر ہے تو صرف ان "فنڈا منٹلسٹ" قوتوں سے جو اسلام کو دین اور دنیا' اور عبادت وسیاست دونوں دائروں میں حکمران کرنا چاہتی ہیں۔ رہا دین کا وہ محدود مذہبی تصور جو عبادات ورسومات' اور مسجد' مدرسہ اور خانقاہ تک محدود رہے اور "پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم" سے بحث نہ کرے تو اس کی تو وہ پوری طرح سرپرستی کرنے پر ہمہ وقت آمادہ اور تیار ہے۔

مزید برآں' نیوٹن کے اس مشہور قانونِ حرکت کے مطابق کہ: "ہر عمل کا ایک مخالف اور مساوی ردِّعمل لازمی ہے!" بیسویں صدی عیسوی میں جیسے ہی علامہ اقبال' مولانا آزاد' علامہ مشرقی' اور مولانا مودودی کے زیرِ اثر دین کا حرکی اور انقلابی تصور اجاگر ہونا شروع ہوا' قدیم جامد مذہبیت نے بھی ردِّ عمل کے طور پر "تحریک" کی صورت اختیار کرلی' جس کا یہ عملی نتیجہ نگاہوں کے سامنے موجود ہے کہ برِّعظیم پاک وہند ہی سے اٹھنے والی ایک تحریک کے زیرِاثر اس وقت پوری دنیا میں لاکھوں افراد دین کے قدیم محدود مذہبی تصور کے فروغ کے لئے ہردم "حرکت" میں ہیں۔ اور یہ متذکرہ بالا "زمین اور آسمان" دونوں کی اس تصور کے ساتھ سازگاری اور موافقت ہی کا تو مظہر ہے کہ اس تحریک کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی حاصل ہو رہی ہے۔ (یہ بالکل دوسری بات ہے کہ راقم کو یقین حاصل ہے کہ جیسے ہی کوئی حقیقی انقلابی قوت نظامِ باطل اور مظاہرِ فسق وفجور کو بالفعل چیلنج کرتے ہوئے میدانِ عمل میں آئی تقوٰی اور تدین کے اس محدود تصور کے حامل لوگ بھی ؎

"فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک!"

کے مصداق جامد وساکت نہیں رہ سکیں گے۔ اور

"مقامِ فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے، تو سوئے دار چلے!"

کے مصداق کشاں کشاں "مقتل" کی طرف کھنچے چلے آئیں گے!)

تیرہ سو سال کے زوال اور انحطاط کے نتیجے میں دین کے اس جامد اور محدود مذہبی تصور کی جڑیں مسلمانوں کے قلوب واذہان میں جتنی گہری اتر چکی تھیں اس کی اس صدی کے آغاز میں ایک مثال تو اس صورت میں سامنے آئی کہ اس کے باوجود کہ مولانا آزاد کو ایک بہت بڑی مذہبی شخصیت یعنی اسیرِ مالٹا حضرت شیخ الہندؒ کی تائید حاصل تھی لیکن روایتی علماء کی عمومی مخالفت کا ایک ہی ریلا انہیں بہا کر لے گیا، اور ان کے "امامتِ ہند" اور "حکومتِ الٰہیہ" کے سارے خواب چکناچور ہو کر رہ گئے۔ اور دوسری مثال ایک بہت بڑے عالمِ شریعت اور شیخِ طریقت کی اس تلقین کی صورت میں سامنے آئی کہ ہمیں کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہئے جس سے ہمارے غیر ملکی حکمرانوں (انگریزوں) کو تشویش لاحق ہو، اس لئے کہ انہوں نے ہمیں مذہبی آزادی دی ہوئی ہے، جس پر ایک نہایت بھرپور پھبتی چست کی تھی علامہ اقبال نے کہ ؎

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

—— اور یہاں یہ عرض کئے بغیر نہیں رہا جا رہا کہ یہ علامہ اقبال ہی کی قد آور شخصیت تھی جس نے اس جامد اور محدود مذہبی تصور کے ماروپود بکھیر کر رکھ دئے۔ اور اگر اس زمین میں حضرت علامہ کی شاعری کا ہل نہ چل چکا ہوتا تو کسی بھی داعیٔ دین کے لئے روایتی علماء کے اس جمود کے علی الرغم دین کے حرکی اور انقلابی تصور کو لے کر اٹھنا ہرگز ممکن نہ ہوتا!

بہرحال اس داستان کا المناک ترین باب یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک میں بعض ایسے حضرات جو کچھ عرصہ دین کے اس حرکی تصور کی اساس پر اٹھنے

والی تحریکوں سے وابستہ اور ان تصورات کے پرجوش حامی رہے' جب کسی عملی یا شخصی اختلاف کی بنا پر' یا کسی ذاتی سبب کے باعث علیحدہ ہو گئے یا خارج کر دئے گئے تو اب رجعت قہقری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کبھی تو ع "کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا!" کے مصداق یہ فرماتے ہیں کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کی فرضیت کا تصور ہی باطل ہے' کبھی کہتے ہیں کہ اسلامی انقلاب تو صرف دعوت و تبلیغ' اور تذکیر و تلقین سے آتا ہے' اس کے لئے تصادم اور جہاد کا تصور فتورِ عقل کا مظہر ہے' کبھی کہتے ہیں کہ بیعت صرف حکومت کی ہو سکتی ہے' جماعت کے قیام کے لئے کوئی دوسری صورت تو اختیار کی جا سکتی ہے بیعت سمع وطاعت فی المعروف کی نہیں' اور کبھی اس سے بھی آگے بڑھ کر فرماتے ہیں کہ دین کی خدمت کا کام تو صرف انفرادی یا زیادہ سے زیادہ اداروں کی صورت میں ہونا چاہئے' اس کے لئے کسی جماعت کے قیام کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے! وقس علیٰ ذالک۔

اور یہ بھی اس محدود مذہبی تصور کی سیکولرزم کے ساتھ مطابقت اور موافقت ہی کا مظہر ہے کہ دین کے یہ جدید دانشور کبھی صلح حدیبیہ کو حق وباطل کے مابین "مستقل" مفاہمت اور مصالحت کے لئے دلیل بناتے ہیں' اور کبھی میثاقِ مدینہ کو عصرِ حاضر کے سیکولر نظامِ ریاست وسیاست کے حق میں دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح کبھی رجم کی "وحشیانہ" سزا کی نفی کے ذریعے جدید ذہنیت کی خدمت میں ہدیۂ معذرت پیش کرتے ہیں تو کبھی پردے کے "مولویانہ تصور" کی مخالفت کے ذریعے مغربی تہذیب کے دلدادگان کو تقویت پہنچاتے ہیں ——— تو کون سے تعجب کی بات ہے اگر ایسے لوگوں کی بھارت میں تو سرکار دربار ہی نہیں راشٹریہ سیوک سنگھ کے حلقوں میں بھی پذیرائی ہو' اور پاکستان میں بھی دین و شریعت کی عملی پابندیوں اور اقامتِ دین کی جدوجہد کی "تپتی راہوں" سے گریز اور دین کی صرف زبان و قلم کے ذریعے خدمت کی "ٹھنڈی چھاؤں" میں پناہ گزینی کے خواہشمند حضرات ان پر دل وجان سے فدا ہوں! تاہم اقبال کے خوابوں کا مظہر پاکستان' ان شاء اللہ العزیز'

(باقی صفحہ ۵۷ پر)

دسواں کبیرہ

جھوٹ بولنا۔ جھوٹی گواہی دینا (۲)

مؤلف: ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

رزقِ حلال کمانا ہر انسان پر نماز روزے کی طرح فرض ہے۔ بذریعہ تجارت رزق حلال کمانا بہت بڑے درجے اور مقام کی بات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچے اور نیک تاجر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

اَلتَّاجِرُ الْاَمِیْنُ الصَّدُوْقُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ[1]

"سچا اور ایمان دار تاجر (قیامت کے روز) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔"

لیکن اس قدر عظیم مقام اور قابلِ احترام ذریعہ روزگار کو اگر کوئی نادان جھوٹی قسموں اور غلط بیانی کے ذریعے ضائع کر دے تو یقیناً انتہائی بدقسمتی کی بات ہے۔ اگر سچا اور امین تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہداء کا ساتھی ہے تو غلط بیانی کرنے والا اور جھوٹی قسمیں کھانے والا تاجر اللہ کی مبغوض ترین مخلوق ہے۔ بلکہ انتہائی خسارے اور گھاٹے کا سودا گر ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ عَلَى فَضْلِ مَاءٍ بِفَلَاةٍ يَمْنَعُهُ مِنَ ابْنِ السَّبِيلِ وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا سِلْعَةً بَعْدَ الْعَصْرِ

---

[1] سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فی التجار۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، امام ترمذی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ المستدرک للحاکم، کتاب البیوع، باب التاجر الصدوق ۔ ۔ ۔ ۔ الخ متعدد سندوں کی وجہ سے اہلِ علم نے حدیث کو قابلِ اعتماد سمجھا ہے۔

فَحَلَفَ لَهُ بِاللهِ لَاَخَذَهَا بِكَذَا وَكَذَا، فَصَدَّقَهُ وَهِيَ عَلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ، وَرَجُلٌ بَايَعَ اِمَامًا لَايُبَايِعُهُ اِلَّا لِلدُّنْيَا، فَاِنْ اَعْطَاهُ مِنْهَا مَايُرِيْدُ وَفٰى لَهُ وَاِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا سَخِطَ [1]

روزِ قیامت اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے بات نہیں کرے گا، نہ ہی اُن کی طرف نگاہِ رحمت فرمائے گا اور نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک کرے گا، بلکہ اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک وہ آدمی جس کے پاس صحرا میں زائد از ضرورت پانی موجود تھا اور اس نے راہی مسافر کو اس کے استعمال سے روک دیا اور ایک وہ آدمی جس نے عصر کے بعد سودا بیچا اور اللہ کے نام کی قسم کھا کر گاہک سے کہا کہ میں نے تو خود اتنے کا خریدا ہے، حالانکہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ لیکن گاہک نے اعتبار کرکے اس سے لے لیا۔ اور ایک وہ آدمی جس نے امام (فرمانروائے وقت) سے صرف دنیوی غرض کے لیے بیعت کی۔ اگر امام نے اسے مطلوبہ چیز دے دی تو وفا کرتا رہا اور اگر مطلوبہ چیز نہ ملی تو بگڑ بیٹھا۔"

جھوٹی قسمیں کھا کھا کر سودا فروخت کرنے والے تاجروں کے بارے میں ایک اور حدیث میں، جسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ" قَالَ فَقَرَءَهَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالَ اَبُوْذَرٍّ: "خَابُوْا وَخَسِرُوْا، مَنْ هُمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟" قَالَ: اَلْمُسْبِلُ، وَالْمَنَّانُ، وَالْمُنَفِّقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ [2]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الحیل، باب مایکرہ من الاحتیال فی البیوع۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم اسبال الازار والمنّ وتنفیق السلعۃ بالحلف۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم اسبال الازار ... سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی اسبال الازار۔ سنن الترمذی، کتاب البیوع، باب ماجاء فیمن حلف علی سلعۃ کاذبا۔ سنن النسائی، کتاب البیوع، باب المنفق سلعۃ بالحلف الکاذب۔

"روزِ قیامت اللہ تعالیٰ تین قسم کے افراد سے بات نہیں کریں گے اور نہ ہی اُن کی طرف نگاہ رحمت سے دیکھیں گے اور نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک کریں گے۔ اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو تین دفعہ دہرایا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا: "ایسے لوگ تو بہت گھاٹے اور خسارے میں رہے۔ آپ بتائیں تو سہی وہ کون لوگ ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ٹخنوں سے نیچے کپڑا رکھنے والا۔ نیکی کر کے احسان جتانے والا۔ اور جھوٹی قسم کھا کر سودا بیچنے والا۔"

ہنسنے ہنسانے اور تفریح طبع کے لیے بھی جھوٹ بولنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسندیدہ تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ آج کے نام نہاد عاشقانِ رسولؐ اسے فن، آرٹ، کومیڈی، فنونِ لطیفہ، جدید تہذیب ترقی اور ضرورتِ کلچر کا نام دیتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ، وَيْلٌ لَهُ، وَيْلٌ لَهُ۔[1]

"تباہی اور بربادی ہے اس شخص کے لیے جو اس لیے جھوٹ بولتا ہے کہ وہ لوگوں کو ہنسائے، بربادی ہے اس کے لیے، اور بربادی ہے اس کے لیے۔"

جس طرح ہنسنے ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا باعثِ بربادی ہے اسی طرح محض کسی کو غصہ دلانے یا ذہنی طور پر پریشان کرنے کے لیے جھوٹ بولنا بھی بُری بات ہے، بلکہ بہت بڑا گناہ ہے۔

ایک عورت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: "میری ایک سوکن ہے۔ اگر میرے خاوند نے مجھے کچھ نہ دیا ہو لیکن میں کہوں کہ اس نے مجھے فلاں فلاں چیز دی ہے تو کیا مجھے گناہ ہوگا؟" اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی التشدید فی الکذب۔ سنن الترمذی، کتاب الزہد، باب فیمن تکلم بکلمۃٍ لیضحک بہ الناس۔ امام ترمذی اور محدث العصر الشیخ ناصر الدین الالبانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ المستدرک للحاکم، کتاب الایمان، باب ویلٌ للذی یحدّث فیکذب۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ[1]

"جو چیز نہیں دی گئی ہے اس سے آسودہ حال ہونے کا اظہار کرنے والا ایسے ہی ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن رکھے ہوں"۔

(یعنی وہ سر سے پیر تک جھوٹا ہے، یا سر سے پیر تک جھوٹ میں لپٹا ہوا ہے، کیونکہ اُس زمانے میں دو کپڑوں میں ہی سر سے پیر تک پورا جسم لپیٹ لیا جاتا تھا۔)

جس آدمی کے جھوٹ کا اثر جس قدر زیادہ ہو وہ اسی حساب سے آخرت میں جواب دہی اور سزا کا بھی زیادہ مستحق ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل قول سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ[2]

"روز قیامت اللہ تعالیٰ تین قسم کے آدمیوں کی طرف نگاہِ شفقت نہ فرمائیں گے اور نہ ہی انہیں گناہوں سے پاک کریں گے۔ اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہوگا: بڑھاپے میں زنا کرنے والا، بادشاہ ہوتے ہوئے جھوٹ بولنے والا، غریب ہوتے ہوئے تکبّر اور گھمنڈ رکھنے والا"۔

حدیث پاک پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں انسانوں نے وہ کام کیے ہیں جو ان کے حالات، ضروریات یا مقام سے بالکل مناسبت نہ رکھتے تھے۔ بوڑھا آدمی تو جائز شہوت سے بھی کنارہ کش ہو رہا ہوتا ہے، کجا یہ کہ زنا کرے۔ بادشاہ، سربراہ قوم یا قومی لیڈر کو قوم کے لیے نمونہ اور اچھے اخلاق و کردار کا آئینہ ہونا چاہیے تھا، کجا یہ کہ وہ خود جھوٹ جیسی ذلیل اور نیچ حرکت کرے۔ غریب و نادار آدمی اور تکبّر چہ معنی دارد؟ اسے تو تواضع، انکسار اور سنجیدہ روی سے زندگی نبھانے کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ کہاں یہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب المتشبع بما لم ینل۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب النہی عن التزویر فی اللباس۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم اسبال الازار و تنفیق السلعۃ بالحلف۔ سنن النسائی، کتاب الزکاۃ، باب الفقیر المختال۔

غریبی اور کہاں یہ تکبر اور خر مستیاں ؟ اسی لیے یہ لوگ ایسی سزا کے مستحق قرار دیتے گئے ہیں۔

جھوٹ کی مذکورہ بالا قسمیں سب کی سب گناہ ہیں اور یقیناً بہت بڑا گناہ ہیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ خطرناک اور نتائج کے اعتبار سے سب سے زیادہ نقصان دہ جھوٹی گواہی دینا ہے، کیونکہ جھوٹی گواہی سے کسی معصوم کا خون بہہ سکتا ہے، کسی پاک دامن اور عزت دار شریف آدمی کی عزت کا اشتہار بنایا جا سکتا ہے اور مالی حقوق پر ڈاکہ ڈالا جا سکتا ہے، کیونکہ حاکم یا قاضی تو ہر جگہ موجود نہیں ہو سکتے، اور اگر موجود بھی ہوں تب بھی فیصلہ تو گواہوں کی بنیاد پر ہی ہو گا۔ چنانچہ فیصلے کی اصل جان گواہی ہوتی ہے۔ اگر گواہ جھوٹا ہو اور قاضی کو اس کے جھوٹ کا پتہ نہ چل سکے تو قاضی اس کی گواہی کی بنا پر فیصلہ دینے کا شرعاً اور عرفاً پابند ہے۔ لہٰذا غلط فیصلے کا اصل بوجھ صرف جھوٹے گواہ پر عائد ہو گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جھوٹی گواہی سے منع فرمایا، ارشاد ہوا:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ[1]

"پس بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو۔"

نیک اور بھلے مانس بندوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا[2]

" اور (رحمٰن کے بندے وہ ہیں) جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے، اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چوٹی کے بڑے بڑے گناہ شمار کیے تو شرک اور والدین کی نافرمانی کے بعد سب سے بڑا گناہ جھوٹی گواہی کو قرار دیا۔ فرمایا:

"اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِاَكْبَرِ الْكَبَائِرِ" ثلاثاً۔ قلنا: بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ۔ قَالَ:
"اَلْاِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ۔ اَلَا وَ شَهَادَةُ الزُّوْرِ وَقَوْلُ

---

[1] سورت الحج، آیت ۳۰۔

[2] سورت الفرقان، آیت ۷۲۔

الزُّورِ۔ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا حَتّٰى قُلْنَا لَيْتَهُ سَكَتَ۔[1]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ دریافت فرمایا: "کیا میں تم کو بڑے بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتا دوں" ہم نے کہا: ضرور ضرور یارسول اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے کہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور اس آخری بات کو اتنی بار دہرایا کہ ہم دل ہی دل میں تمنا کرنے لگے، اے کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی اختیار فرمالیں۔

صرف یہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو شرک کے برابر قرار دیا ہے، کیونکہ شرک اگر اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سب سے بڑا ظلم ہے تو جھوٹی گواہی بندوں کے حقوق میں سب سے بڑا ظلم ہے۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

"اَيُّهَا النَّاسُ! عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّورِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰهِ۔" ثُمَّ قَرَءَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم: "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ۔" (سورت الحج، آیت ۳۰)[2]

"اے لوگو! جھوٹی گواہی شرک کے برابر کا گناہ ہے۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورت الحج کی آیت ۳۰ تلاوت فرمائی: "بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو۔"

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب ماقیل فی شَهَادَةِ الزُّور۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر واکبرہا۔

[2] سنن الترمذی، کتاب الشہادات، باب ماجاء فی شہادۃ الزور۔ سنن ابی داؤد، کتاب الاقضیۃ، باب شہادۃ الزور۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب شہادۃ الزور۔ حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن بخاری و مسلم کی دیگر روایات کی روشنی میں حدیث قابل قبول ہو جاتی ہے۔

عدالتی جھوٹی گواہی کے علاوہ ہر جھوٹی شہادت، جیسے تعلیمی سند، تجربے کا سرٹیفکیٹ، غلط شناختی کارڈ، غلط پاسپورٹ، جعلی اور نقلی دستاویزات، فرضی اسٹام اور اقرارنامے حتیٰ کہ نقلی نوٹ اور جعلی کرنسی بھی اسی حکم میں شامل ہیں، کیونکہ ان سب غلط کاریوں کا اصل مقصد دوسروں کے حقوق یا استحقاقات پر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ اور خود بظاہر بڑے معصومانہ طریقے سے اسے اپنے فائدے میں محفوظ کرنا ہے، اس لیے ہر ایسی مجرمانہ حرکت سے باز رہنا چاہیے جس سے دوسروں کے حقوق متاثر ہوتے ہوں۔

نوٹ: "جھوٹی قسم کھانا" اور "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر جھوٹ بولنا" دو علیحدہ عنوانات کی شکل میں ذکر کیے جائیں گے۔

بقیہ: اسلام کا انقلابی فکر اور اس سے انحراف کی راہیں

اسلام کے ان حقیقی تہذیبی و ثقافتی، سماجی و معاشرتی، اقتصادی، معاشی اور سیاسی و ملی تصورات کی نشأۃ ثانیہ کا گہوارہ بنے گا "جن کے روئے انور پر عہدِ ملوکیت کے دوران پردے پڑ گئے تھے" (خطبۂ الٰہ آباد) اور جن کی فکر و نظر کی سطح پر کامل تجدید اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے آغاز میں علامہ اقبال کے ہاتھوں کرادی تھی! ——— اور ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ایک جانب دین کے ان حرکی اور انقلابی تصورات کا پوری قوت کے ساتھ دفاع کیا جائے اور دوسری جانب اپنی جدوجہد کو ع "بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست" کے مصداق "منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ" کے زیادہ سے زیادہ مطابق اور موافق بنایا جائے۔ اس لئے کہ وہی کامیابی کی واحد سبیل ہے!

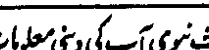

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا حجی صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

تحریک الاخوان المسلمون

سنہ ۱۹۳۶ء سے سنہ ۱۹۴۹ء تک (۳)

قاضی ظفرالحق

فاروق کے خلاف انقلاب تک

امام حسن البناء کی شہادت پر آکر اس کتاب زندہ کا ایک باب بند ہو جاتا ہے جسکی ہر ہر سطر سے اسلام کی سربلندی، حق کے غلبے اور وطن کے استخلاص کی خاطر سرفروشی و جانبازی اور ایثار و قربانی کی خوشبو اٹھتی اور یہود و نصاریٰ کی چالوں کے فہم اور ان کے منصوبوں کے توڑ کی ایک روشنی امڈتی چلی آتی ہے۔

۱۲ر فروری ۱۹۴۹ء کو جب الاخوان المسلمون اپنے محبوب قائد کی راہنمائی سے محروم ہوئے تو یہ کافر قوتوں کی اتنی بڑی فتح اور اہلِ حق کی ایسی کڑی آزمائش تھی کہ ایک لمحہ کے لئے دونوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے اس کامیابی پر کیسی خوشیاں منائیں اور ان کے گماشتوں نے کتنا سکھ محسوس کیا۔ دشمن کا یہ وار جو کامیاب پڑا تو اس کو مزید چرکے لگانے اور اسلامی تحریک کو نڈھال کرنے کا خدائی موقع میسر آگیا۔ سچ تو یہ ہے کہ حسن البناء کا قتل مصر کے اندر دشمنوں کے ایک طویل منصوبے کا حصہ تھا جس کی کامیابی کا دارومدار اسی بات پر تھا کہ اسلامی تحریک کے قائد کو، جو کہ اپنے فہم و تدبر اور جرأت اور حرکت کے سبب مصر کا مقبول عام لیڈر بن چکا تھا، راہ سے ہٹا دیا جائے، کیونکہ اس کی برپا کی ہوئی تحریک کے برسرِ عمل رہتے اور میدان عمل میں داد شجاعت دیتے ہوئے یہ ممکن نہ تھا کہ مصر کو صلیبی اور صیہونی درندوں کی شکارگاہ بنایا جا سکے۔ اس تحریک کی قوت اور مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ آج بھی عالم عرب کی باطل حکومتیں اسے آزادئ عمل عطا کرنے اور اس کے گرفتارانِ بلا کو آزاد کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

قائد کا انتخاب

حسن البناء کے بعد تحریک الاخوان المسلمون عشق کی جن گھاٹیوں سے گزری اور آزمائش کے جن مرحلوں سے دوچار ہوئی ان میں ایک سخت مقام مرشد عام کا چناؤ بھی تھا۔ تحریک انقلاب اسلامی کے لئے اس مقام پر حاصل کرنے کے کئی سبق ہیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ یہاں سے سرسری نہ گزرا جائے۔

دشمنوں کی تو فطری طور پر یہ خواہش تھی کہ حسن البناء کی شہادت کے بعد یہ تحریک عملی اور نظریاتی، ہر سطح پر پھوٹ کا شکار ہو جائے، جس کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ ایک بار پھر کسی شخصیت پر مجتمع نہ ہو سکیں، چنانچہ اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا گیا کہ جنازہ سے لے کر مابعد کے کسی موقع تک حق کے شیدائی جمع نہ ہو سکیں۔ اس موقع پر کارکنان کو بددلی کرنے اور انہیں توڑنے کی ہر ممکن کوشش ہوئی۔ شاید یہی وہ موقع تھا جس پر اخوان کے ان لوگوں نے اپنی وفاداریاں تبدیل کیں جو بعد میں وقتاً فوقتاً اخوان سے خروج کرتے اور اس کے خلاف دشمنوں کی مہم کا حصہ بنتے رہے۔ دلوں کے بھید تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، ہمارے پاس تو راہنمائی کے لئے بعض قرائن ہی ہیں، جن کی روشنی میں ہم سلسلۂ واقعات کی کڑیاں جوڑ کر کچھ نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔

مجلس تأسیسی کے پاس مرشد عام کے چناؤ کا اختیار تھا مگر قصر عابدین اور ایوان وزارت میں طے پانے والی سازش کی ایک کڑی یہ بھی تھی کہ جیل میں بھی مجلس تأسیسی کے ارکان باہم مل نہ سکیں، تاکہ اس بارے میں کوئی غور و فکر نہ کیا جا سکے۔ الاخوان پر پابندی تھی، لہٰذا مجلس تأسیسی کے آزاد ارکان کا جمع ہونا بھی ممکن نہ تھا۔

قائد کے بغیر تو تحریک کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ مخلصین کے رات دن اسی ادھیڑبن میں بسر ہونے لگے کہ اس بارِ گراں کا متحمل اور مستحق کون ہو سکتا ہے۔ پابندی کے دنوں میں شام کے الاخوان المسلمون کے سربراہ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی مصر تشریف لائے تو اخوان جوق در جوق ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس بارِ امانت کے اٹھانے کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا کہ "مصر میں ایسے اخوان موجود ہیں جو کہ مجھ سے بہتر انداز میں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔"

حکومتی حلقوں کی سازش کامیاب ہو رہی تھی اور المرشد العام کے چناؤ کا معاملہ دن بدن انتشارِ فکر اور سستیٔ عمل میں اضافہ کر رہا تھا۔ ان سازشوں پر مستزاد اندرونِ جماعت مخلصین کا مختلف شخصیتوں کی طرف رجحان تھا جس کے باعث مختلف گروپ نمو دار ہو رہے تھے' جو آزادیٔ عمل سے محرومی اور چناؤ میں تاخیر کے سبب سے اپنی اپنی آراء پر پختہ ہو گئے۔ تحریکوں کی زندگی میں سب سے اہم مرحلہ قیادت کی تبدیلی کا ہوتا ہے اور ان کی بقا کا بہت کچھ دارومدار اس مرحلہ سے بخیر و خوبی گزر جانے پر ہوتا ہے۔ الاخوان المسلمون کو اس مرحلہ پر جن بیرونی سازشوں کا سامنا کرنا پڑا وہ تو اتنی غیر متوقع نہ تھیں جتنا غیر متوقع اندرونی پریشانیوں کا پیدا ہو جانا تھا۔

اس موقع پر الاخوان المسلمون کے وہ تمام اکابرین جو صف اول کے راہنما شمار ہوتے تھے' ان سے ناقابل تلافی کمزوریوں کا صدور ہوا اور انہوں نے اخوان کی راہنمائی کسی مناسب اور قابل اعتماد شخصیت کی طرف کرنے کے بجائے اپنے اپنے بارے میں خلوص اور اہلیت کی یقین دہانیاں کرائیں یا اخوان کو اپنی طرف متوجہ نہ پاکر قیادت کے معاملہ کو حل کرنے سے لاتعلقی اختیار کرلی۔ یہ ایک تکلیف دہ اور پریشان کن صورتحال تھی جس نے مخلص اخوانیوں کے دلوں پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ یہ باتیں اب راز نہیں رہیں کہ کس نے کیا کیا اور کیا کہا۔ اس مرحلہ پر خلوص و اخلاص کا اولین تقاضا یہ تھا کہ وہ سب ایک دوسرے کی طرف راہنمائی کرکے خود پیچھے ہٹ جاتے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ چنانچہ ایڈووکیٹ منیر امین دِلّت نے یہ محسوس کرکے کہ کوئی بھی بڑا یعنی مکتب ارشاد کا رکن دوسرے کے حق میں رائے دینے کے لئے آمادہ نہیں ہے' یہ تجویز پیش کی کہ حسن الہضیبی جو کہ ایک ریٹائرڈ جج' معروف قانون پسند اور ٹھنڈے دماغ کے سلجھے ہوئے بزرگ اخوانی ہیں' اس منصب کے لئے چن لئے جائیں۔ محترم امین دِلّت اخوان کے ناظمِ مالیات اور پارلیمنٹ کے مشیر تھے اور اخوان کے کیسوں کی پیروی کرتے رہے تھے' اس لئے انہیں جناب حسن الہضیبی کے مزاج اور کردار سے گہری شناسائی تھی۔ تقدیرِ الٰہی میں یہ تجویز ازل سے ہی مقبول تھی' چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے حسن الہضیبی کا نام گونجا اور مصر بھر کے اخوانیوں میں عام ہو گیا۔ مکتب ارشاد نے بھی صاد کیا اور حسن الہضیبی کو مرشد عام بنانے کی خاطر ایک محضر نامہ تیار کیا گیا جس پر اولاً جماعت کی قیادت اور بعدہ ارکان نے دستخط کئے' کیونکہ

پابندی کے سبب ارکان کا اجتماع بلانا ممکن نہ رہا تھا۔ اس طرح گویا نیم دستوری انداز میں حسن ثانی حسن اول کے جانشین بن گئے۔

شیخ حسن الہضیبی اگرچہ سربراہِ جماعت مان لئے گئے تھے تاہم دستوری کارروائی ابھی باقی تھی جس کے لئے مجلس تاسیسی کا اجلاس شرط تھا۔ ابراہیم عبدالہادی پاشا اور شاہ دونوں یہ سمجھتے تھے کہ ان کو کسی مرکز پر جمع ہونے سے روکنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہیں مجتمع ہی نہ ہونے دیا جائے۔ چنانچہ جب تک ہادی رہا پابندیوں میں کوئی نرمی نہ آئی۔ پھر یکایک جولائی ۱۹۴۹ء میں ہادی رخصت ہوا اور حسین سری پاشا برسراقتدار آگیا۔ حسین کے دل میں شاید شروع ہی سے اللہ تعالیٰ نے اخوان کے لئے کوئی نرم گوشہ رکھا تھا' چنانچہ اس نے پھر اپنے پچھلے دورِ حکومت کی طرح الاخوان المسلمون پر پابندیاں نرم کردیں۔

اخوان کے لئے حالات کچھ بہتر ہوئے مگر ان سے فائدہ اس لئے نہ اٹھایا جا سکا کہ انتخابات سر پر تھے اور اخوان وفد پارٹی کی بھرپور مدد کرنا چاہتے تھے۔ وفد پارٹی کے سربراہ رفعت مصطفیٰ نحاس پاشا نہ صرف اخوان سے متاثر تھے بلکہ اخوان کے راہنماؤں سے اور اخوان کے شعبۂ خواتین کی سربراہ زینب غزالی الجبیلی کے بھائی محمد الغزالی کے ساتھ ان کے ذاتی مراسم بھی تھے اور محمد الغزالی کے ذریعے ان کے اور امام شہید کے درمیان آراء و تجاویز کا تبادلہ بھی ہوتا رہا تھا' جس کا یہ فائدہ ہوا تھا کہ انگریزوں کے اخراج سویز کے معاملے اور فلسطین کے مسئلے میں وفد پارٹی کا نقطۂ نظر مصر کی سب پارٹیوں سے زیادہ اخوان کے نقطۂ نظر کے مطابق تھا۔

فروری ۱۹۵۰ء میں وفد پارٹی انتخابات جیت کر برسراقتدار آئی تو رفعت مصطفیٰ نحاس پاشا وزیراعظم بنے۔ انہوں نے اخوان کو اجتماعات منعقد کرنے اور کام کرنے کی آزادی عطا کی تو مجلس تاسیسی کا باقاعدہ اجلاس منعقد ہوا جس میں دستوری طور پر حسن الہضیبی کو مصر کے اخوان کا سربراہ چنا گیا۔ اس کے بعد دسمبر ۱۹۵۰ء میں مکتب ارشاد کا انتخاب تو ہوا جس میں استاذ صالح عشماوی کی جگہ عبدالقادر عودہ شہید کو نائب مرشد عام چنا گیا۔ اس انتخاب میں اخوانیوں نے ان اکابرین کو کسی بھی عہدے کے لئے مناسب نہیں گردانا تھا جو جماعت کی زندگی کے نازک ترین لمحات میں کمزور ثابت ہوئے تھے۔ چنانچہ یہ خاموش

استرداد ان کے لئے ایک نئی آزمائش بن گیا اور شیاطین جن وانس نے انہیں تاک تاک کر نشانہ بنانے کی بھرپور مساعی شروع کردیں (اِلاَّ مَارَحِمَ رَبِّیْ)۔

دو شیخ اور ان کا منفی کردار

استاذ صالح عشماوی امام البناء کے دور میں نائب مرشد عام تھے جنہیں امام صاحب کی شہادت سے پہلے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ ان کی رہائی تک شیخ حسن الباقوری اخوان کے قائمقام امیر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے تھے۔ جب اخوان نے از سرِنو اپنے سفر کا آغاز کیا تو یہ دونوں بزرگ امارت کے منصب جلیل سے محروم رہ گئے۔ پھر یہ بھی ہوا کہ انہیں کسی دوسرے عالی منصب سے بھی نہ نوازا گیا بلکہ وہ شوریٰ کے عام ارکان میں رہ گئے۔ یہ بات فی نفسہٖ تو پسندیدہ ہے کہ تحریکوں کی قیادت ان لوگوں سے لیکر' جو پوری طرح اس کا حق ادا نہیں کرپا رہے ہوتے' انہیں دیدی جائے جو زیادہ قوت سے کام کو آگے بڑھا سکیں' مگر اس کے ساتھ ہی اس امرِ واقعہ سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقع بھی ایسے ہی مراحل پر ملتا ہے۔ چنانچہ استاذ صالح عشماوی اور ان کی ذات سے وابستہ اخوانی حلقہ میں ان فیصلوں سے بے چینی پھیل گئی اور بدقسمتی سے اس بے چینی کا اظہار اخوان کے فورم اور حلقوں سے باہر بھی ہونے لگا۔ بعض اخوانی نوجوانوں نے مرشد عام سے بدتمیزی تک کی۔ اخبارات وجرائد میں ایسے مضامین شائع ہونے لگے جن میں اخوان کی قیادت کو نشانہ بنایا جاتا۔ استاذ صالح عشماوی نے توامام حسن الہضیبی سے استعفاء کا مطالبہ تک کر دیا۔

شیخ احمد حسن الباقوری اس وقت تو چپ رہے مگر جب جمال عبدالناصر نے انہیں وزارت کی پیشکش کی تو وہ پھسل گئے اور بغیر مرشد عام سے مشورہ کئے انہوں نے ہاں کردی۔ پھر اسی پر بس نہیں کیا' بلکہ آگے بڑھ کر مرشد عام سے اختلاف کا اظہار کیا اور پھر اخبارات وجرائد میں ان کے خلاف معاندانہ انداز میں بیانات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حسن الہضیبی نے اس موقع پر بڑی عالی ظرفی کا اظہار کیا اور ان کے آفس جاکر انہیں وزیر بننے پر مبارکباد دی۔ یہ الگ بات ہے کہ جس فانی دنیا کی محبت میں انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا اس نے بھی ان کا ساتھ نہ دیا اور ناصر نے کبھی ان پر اعتماد نہ کیا کہ کہیں یہ اخوان

کے ایجنٹ نہ ہوں۔ بہرحال ان اختلافات ومناظرات کا نتیجہ دشمن کی خواہش کے عین مطابق نکلا اور اخوان کی ترقی پذیر وسعت اور شہرت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

اخوان سے الگ ہونے والے

اس زمانہ میں اور اس کے بعد صدر ناصر کے دورِ استبداد میں الاخوان المسلمون سے بہت سے لوگ ٹوٹ کر جدا ہوئے۔ یہ سب تحریک کے نمایاں افراد یا ان سے متاثر لوگ تھے۔ ان میں محمد الغزالی جیسی عظیم تحریکی اور دعوتی مزاج رکھنے والی شخصیت بھی تھی اور عبدالرحمٰن الساعاتی جیسے حسن البناء کے خونی رشتہ دار بھی۔ ان سب لوگوں کے اخوان سے ٹوٹنے کے اسباب مختلف تھے، مگر ردِ عمل اور اس کے نتائج مشترک رہے۔

اس مقام پر آکر اخوان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ایک لمحہ کے لئے ٹھٹھک جاتا ہے کہ یہ سب کیونکر ہوا؟ دراصل اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ دنیا کے بازار میں اس کے نام کے صرف وہی سکے چل پائیں گے جو کامل عیار ہوں۔ ناخالص مال کا کھوٹ وہ کہیں نہ کہیں ظاہر کر کے رہتا ہے۔

اخوان سے الگ ہونے والے افراد کو ہم تین قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ ایک طرح کے لوگ وہ ہیں جن کی اسلام سے وابستگی سچی اور حقیقی تھی اور وہ جماعت میں کوئی مقام بھی رکھتے تھے، مثلاً غزالی اور عبدالرحمٰن الساعاتی (البناء) اور صالح عشماوی وغیرہ۔ ان لوگوں کے لئے جو بات باعث فتنہ ہوئی وہ یہ تھی کہ ان کے مقام اور حیثیت میں قیادت کی تبدیلی سے نمایاں فرق واقع ہوا۔ قربانیوں کا ایک طویل باب رقم کرنے کے بعد یہ لوگ اپنی جماعت سے اس لئے دل گیر ہوگئے کہ ان کی ذات اور آراء (بعض خاص معاملات میں) وہ وقعت حاصل نہ کرسکیں جس کے یہ متوقع تھے۔ پس اسی بات نے انہیں نظم جماعت سے نکلنے پر آمادہ کردیا، اگرچہ اسلام کے ساتھ اپنے والہانہ لگاؤ کے سبب یہ اسلام کی جنگ پھر بھی لڑتے رہے اور آج بھی لڑ رہے ہیں۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو تحریکوں میں ان کے عروج سے متاثر ہو کر داخل ہوتے اور انہیں زوال پذیر دیکھ کر ان کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ تھے جو دیگر پارٹیوں سے بھی وابستگی رکھتے تھے، مثلاً شیخ الباقوری جو اخوان، وفد اور جمال

عبدالناصر میں سے ہر ایک کے ساتھ اپنے دورِ عروج میں وابستہ رہے۔ ان کا معاملہ نظریات اور نظم کے بجائے مفادات کے ساتھ خاص رہا۔ تیسری قسم کے لوگ وہ تھے جنہیں یا تو غیر ملکی طاقتوں نے اخوان میں بھیجا ہی انتشار پھیلانے کے لئے تھا یا پھر اخوان کے زمانۂ عروج اور جہاد فلسطین کے دوران میں ان کی نمایاں صلاحیتوں پر ان طاقتوں کی نظر پڑ گئی اور انہوں نے ہر قیمت پر ان کی وفاداریاں خریدنے کی کوشش کی اور بالآخر کامیاب ہو گئیں۔ اس طرح کے لوگوں میں جمال عبدالناصر' عبدالحکیم عامر' انور السادات اور عبدالرحمٰن السندی وغیرہ شامل ہیں' جن کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ آیا یہ لوگ جب اخوان کے مرشد عام کے ہاتھ پر بیعت کرنے آئے تھے تو اسی وقت بدنیتی سے آئے تھے یا پھر یہ بعد میں بدنیتی اور بے وفائی پر اتر آئے۔

ان سب طرح کے لوگوں کے اخوان سے جدا ہونے کا عمل ایک تلخ اور ناخوشگوار تاریخ بناتا ہے' جس میں ہم ان کے مجرم ضمیر کا تڑپنا اور پھر اودبدا کر اخوان پر حملہ کر دینا بآسانی ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ کسی تحریک میں شامل ہو کر جدا ہو جانا اتنا تکلیف دہ امر نہیں جتنا ساری زندگی اپنے آپ کو حق بجانب اور تحریک کی اس مخلص اکثریت کو جو بعد میں بھی مصائب و آلام کی بھٹیوں سے گزر رہی ہو' بزعم خود غلط قرار دیتے چلا جانا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اخوان سے نکلنے والے اکثر حضرات اگر اس رویہ کو اختیار نہ کرتے تو جلد یا بدیر مصر میں اخوان کا برسرِ حق ہونا اظہر من الشمس ہو جاتا اور مصر بھی اسلامی انقلاب کے نور سے منور ہو چکا ہوتا' لیکن تقدیرِ الٰہی میں شاید یہی لکھا تھا کہ ان کی آزمائش کی گھڑیاں کچھ اور طویل ہو جائیں۔

شاہ فاروق کے خلاف انقلاب سے پہلے اور اس کے فوراً بعد اختلافات کے برپا ہوتے رہنے سے اخوان کو شدید دھچکا لگا اور بہت سے مخلص حضرات بھی یہ سمجھنے لگے کہ اب اخوان کا دور ختم ہو گیا اور ان کی اس مایوسی نے انہیں عضوِ معطل بنا ڈالا۔ کچھ مخلصین نے اسلام کی طرف پیش قدمی کے لئے نئے محاذ کھولنا ضروری سمجھے اور اس طرح اتحاد و اتفاق کی فضا میں نظریاتی اختلافات کی تلخیاں بھی گھلنے لگیں۔ آج بھی اخوان کا سفر اور یہ سب صورتیں ساتھ ساتھ چل رہی ہیں اور كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ○ کا منظر پیش کرتی ہیں۔

(جاری ہے)

پاکستان کی موجودہ سیاسی و ملی صورت حال
کے بارے میں تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کا نقطۂ نظر

(۱)

لاہور۔ ۶ر نومبر: امیرِ تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ پاکستان میں اسلام کے انقلابی فکر کی علمبردار جماعتوں میں اشتراک عمل ہونا چاہئے اور ان شاء اللہ جلد ہو کر رہے گا کیونکہ حالات و واقعات میں بڑی تیز رفتاری پیدا ہو چکی ہے اور اگلے تین چار سال صرف ہمارے ملک کے لئے ہی نہیں بلکہ پورے کرۂ ارضی کے لئے بہت اہم ہیں جن کے دوران عالمی منظر پر بڑی بڑی ڈرامائی تبدیلیوں کا ظہور ہوگا۔ وہ مسجد دارالسلام باغ جناح میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی نشانیاں اہلِ نظر کو اب صاف دکھائی دینے لگی ہیں اور میرا اندازہ ہے کہ شاید اسی دوران اصل دجال یعنی مسیح الدجال بھی سامنے آجائے گا' عربوں کی کمر پر عقوبت کا کوڑا پورے زور سے برسے گا اور عظیم تر اسرائیل کے نقشے کی تکمیل ہو جائے گی جس میں پوری دنیا سے سمٹ کر یہودی اپنے آخری انجام کو پہنچنے کے لئے جمع ہونے والے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ جماعتِ اسلامی اور پاکستان عوامی تحریک دونوں جماعتیں انقلاب کی بات کرتی ہیں جبکہ قاضی حسین احمد اور علامہ طاہر القادری کی طرف سے یہ واضح اعلان بھی آچکا ہے کہ وہ کسی سیاسی یا انتخابی اتحاد میں شریک نہیں ہوں گے۔ ایک اور قدرِ مشترک یہ ہے کہ دونوں جماعتیں جاگیرداری اور زمینداری کی جڑ کاٹنے کو تبدیلی کے لئے شرطِ لازم قرار دے رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یوں یہ دونوں جماعتیں ہماری جماعت تنظیم اسلامی کے موقف کے قریب آتی جا رہی ہیں اور ممکن ہے کہ جمعیت علمائے اسلام بھی آخر اپنا قبلہ انقلاب کی طرف راست کر لے جس کے بعد صرف ایک قدم اور اٹھانے پر سارے فاصلے ختم ہو جائیں گے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ یہ انقلابی جماعتیں ایک فیصلہ اور کر لیں کہ انتخابی سیاست میں اپنی توانائیاں ضائع نہ کی جائیں تو میری جماعت ان کے خدام میں شامل ہونے کو سعادت سمجھے گی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ اس مرحلے کے آنے پر ایک متفقہ قیادت کے ابھرنے میں بھی زیادہ وقت نہیں لگے گا جو کسی بھی انقلاب کو برپا کرنے کے لئے ضروری ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے شناختی کارڈ پر مذہب کے اندراج کے خلاف احتجاج کی مذمت کی اور

کہا کہ اسلام کا نام لینے والوں کے عزم وارادے کے امتحان کا وقت آگیا ہے۔ سود کا مسئلہ جو زیرِ بحث معاملے سے کم از کم سوگنا بڑا ہے' اس چھوٹی سی بات کی اوٹ میں اوجھل ہوگیا ہے اور اس کے بارے میں ہماری حکومت کی بدنیتی تو ظاہر ہی ہے' خود مذہبی جماعتوں نے بھی کمزوری دکھائی ہے جنہوں نے حکومت کی طرف سے لیت ولعل پر تحریک چلانے کی دھمکی دی تھی لیکن اب اسے طاقِ نسیاں پر رکھے بیٹھی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شناختی کارڈ کے قضیہ پر جو درحقیقت اسلام اور سیکولرزم میں کشمکش کا ایک نیا عنوان ہے' حکمرانوں نے ایک مضبوط موقف اختیار کیا ہے اور اب دیکھنا ہوگا کہ وہ مخالفت کے اس طوفان کے آگے کتنی جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہیں جسے غیر ملکی ذرائع ابلاغ نے بین الاقوامی مسئلہ بنا کر کھڑا کردیا ہے اور حد یہ کہ پوپ کو بھی مداخلت کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

امیرِ تنظیم اسلامی نے کہا کہ اسلام کے معاملے میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا گیا تو ہمیں آئے دن ایسی صورتِ حال سے دوچار ہونا پڑے گا' لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ارادے کی پختگی کے ساتھ ایک ہی دفعہ پورے اسلام کے واقعی نفاذ کا اعلان کیا جائے تاکہ مخالفت کے نت نئے شوروغوغا کی بجائے ہمیں ایک ہی بار بھرپور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے جس کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو ایمان کی قوت استعمال کرتے ہوئے اللہ کی تائید و نصرت پر بھروسہ کرنا ہوگا اور اسی کے نتیجے میں پاکستان اپنے وجود کے جواز کے ساتھ انصاف کر سکے گا جو اسلام اور صرف حقیقی اسلام ہے۔

(۲)

امیرِ تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے ایک بیان میں حکومت کے اس طرزِ عمل کی مذمت کی ہے جس کا مظاہرہ اٹھارہ نومبر کو اس نے ملک کو ایک بدترین پولیس سٹیٹ بنا کر کیا۔ انہوں نے کہا کہ نقل و حرکت' تحریر و تقریر اور اجتماع و مظاہرے کی آزادی پر اس وقت تک دست درازی درست نہیں ہے جب تک وہ قانون شکنی کی حدود میں داخل نہ ہو۔ محض اندیشوں اور خدشات کی بنا پر احتیاطی تدابیر اختیار کرنا اور خصوصاً حساس مقامات کی حفاظت کا اہتمام کرنا تو سمجھ میں آتا ہے' لیکن تقریباً پورے ملک میں زندگی کے معمولات کو اس موقع پر جیسے منجمد کیا گیا اس کی مثال ملک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ گذشتہ عام انتخابات کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا لیکن ایک بات بہرحال طے ہے کہ اس کے نتائج پر اطمینان کا اظہار نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ حکومت کا مینڈیٹ شروع سے مشکوک چلا آتا ہے۔ مزید برآں' اسلام اور اسلامی جمہوری اتحاد کے نام پر الیکشن لڑنے کے بعد نام نہاد نفاذ شریعت ایکٹ کے ذریعے سودی نظام کو

جاری رکھنے کے اعلان' اور پھر سود کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر کے موجودہ حکومت اپنا اخلاقی جواز بھی کھو چکی ہے۔ چنانچہ ہمارا مطالبہ پہلے ہی سے یہ تھا کہ عدلیہ پر مشتمل خالص غیر جانبدار حکومت کی نگرانی میں از سرِ نو منصفانہ انتخابات کرائے جائیں۔ یہ بات اب پہلے سے کہیں زیادہ ضروری ہو گئی ہے کیونکہ اپوزیشن کی احتجاجی تحریک کے ردِّ عمل میں غیر دستوری' غیر قانونی اور غیر اخلاقی حرکتیں کر کے اس حکومت نے اپنا رہا سہا قانونی اور دستوری جواز بھی کھو دیا ہے۔ اگرچہ دوسری جانب موجودہ اپوزیشن کی یہ دو عملی بھی ناقابل فہم ہے کہ وہ ان اسمبلیوں کو بوگس بھی قرار دیتی ہے لیکن ان اسمبلیوں کی سیٹوں سے دستبردار ہونے کو بھی تیار نہیں۔ یہ لوگ اگر واقعتاً اپنے موقف کے بارے میں مخلص ہیں تو انہیں فی الفور اسمبلیوں کی سیٹوں سے مستعفی ہو جانا چاہئے ورنہ لوگ یہ تاثر لینے میں حق بجانب ہونگے کہ انہیں خود اپنے موقف کی سچائی پر یقین نہیں ہے' یا وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس احتجاجی سیاست کے نتیجے میں اسمبلیاں نہ بھی ٹوٹیں تو ان کی سیٹیں تو برقرار رہ جائیں!

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ صدرِ مملکت نے اگر فوری اقدام نہ کیا اور ایک خالص غیر سیاسی اور واضح طور پر غیر جانبدار عبوری حکومت کے انتظام کے تحت تازہ انتخابات نہ کرائے تو ہم سیاسی استحکام سے محروم رہیں گے جو تیزی سے بدلتے ہوئے ملکی اور بین الاقوامی حالات میں ملک و قوم کی اولین ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ پاکستان کا استحکام اصلاً اسلامی انقلاب سے وابستہ ہے' تاہم اس کی بقا اور جغرافیائی سلامتی کے لئے عبوری دور میں سیاسی عمل کو معروف جمہوری اصولوں کے مطابق بلا روک ٹوک جاری رہنے کی ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا جسے ان دنوں شدید خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔

امیرِ تنظیمِ اسلامی نے اسلام کے نفاذ کا دعویٰ اور خواہش رکھنے والے اہلِ وطن اور دینی و مذہبی جماعتوں سے اپیل کی ہے کہ صدرِ مملکت پر تازہ اور منصفانہ عام انتخابات کے فوری انعقاد کے لئے زور ڈالا جائے' ورنہ جہاں اس کا بھی اندیشہ ہے کہ مارشل لاء نافذ ہو جائے جو ملک کی سالمیت کے لئے خطرناک ہو گا وہاں اس بات کا خطرہ بھی ہے کہ ملک کے وہ سیکولر اور تخریب پسند عناصر موقع سے فائدہ اٹھائیں جو پہلے ہی شناختی کارڈ کے معمولی سے مسئلے پر طوفان کھڑا کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں اور اس طرح لانگ مارچ کے نام سے شروع ہونے والی سیاسی مہم ایک ایسے عوامی انقلاب کا پیش خیمہ بن جائے جس کی قیادت خالص سیکولر عناصر کے ہاتھ میں ہو اور وہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے اس قلعے کو بھی سیکولرزم ہی کے ایک اور اڈے میں تبدیل کر کے رکھ دیں جس کا سکہ پوری دنیا پر چل رہا ہے۔ انہوں نے دینی اور مذہبی جماعتوں کو مشورہ دیا ہے کہ اس خطرے کا ادراک کرتے ہوئے اپنے لائحہ عمل پر بھی نظرِ ثانی

کریں اور اس ملک میں اسلامی انقلاب کے لئے نبویؐ طریق اختیار کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کریں۔

(۳)

لاہور۔ ۲۰ نومبر: امیرِ تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے صدرِ مملکت پر زور دیا ہے کہ تازہ انتخابات کے لئے بلا تاخیر زمین ہموار کر کے ملک سے خیر خواہی کا حق ادا کریں کیونکہ آئی جے آئی کی حکومت اپنا جواز کھو چکی ہے۔ مسجد دارالسلام باغ جناح میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پی ڈی اے کا لانگ مارچ اگر کسی عوامی تحریک کا رنگ اختیار کر لے تو یہ صورتِ حال اس اعتبار سے پچھلی سب تحریکوں سے مختلف ہوگی کہ نتیجے میں خالص سیکولرزم ابھر کر سامنے آئے گا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے توجہ دلائی کہ قبل ازیں حکومتِ وقت کے خلاف ہر محاذ آرائی میں دینی اور مذہبی جماعتوں کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوتا تھا جس کی وجہ سے اسلام اور شریعت کے ساتھ وابستگی کا کم سے کم زبانی اظہار نئے آنے والوں کے لئے ضروری ہوتا رہا لیکن اس دفعہ تحریک چلانے والوں نے دینی اور مذہبی حلقوں کے تعاون سے بے نیازی کا مظاہرہ کر کے محض سیکولر عناصر کی قوت پر بھروسہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ لانگ مارچ کو بے تدبیری اور تشدد کے بے محابا استعمال سے دبانے کی کوشش کے ذریعے حکومت کے نادان دوستوں نے ملک و قوم کے حق میں کانٹے بو دئے ہیں اور ہمارے وزراء اپنی جس کامیابی پر نازاں ہیں وہ در حقیقت ان کی ناکامی ہے کیونکہ کسی بھی سیاسی مہم کو تشدد ہی عوامی تحریک میں بدل دیا کرتا ہے۔

امیرِ تنظیم اسلامی نے کہا کہ آئی جے آئی کا مینڈیٹ ابتداء سے ہی مشکوک تھا' جس کے بعد نہ صرف خود نفاذِ شریعت ایکٹ میں سود کو ہر طرح جاری رکھنے کی گنجائش رکھ کر بلکہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل میں جا کر اور پھر اپنی اتحادی جماعتوں کی حمایت سے محروم ہو کر اس کی حکومت اخلاقی اور دینی جواز کھو بیٹھی۔ ایک دستوری اور قانونی جواز اسے حاصل تھا سو وہ ان غیر دستوری اور غیر قانونی حرکتوں کے باعث اب باقی نہیں رہا جو پی ڈی اے کے لانگ مارچ سے بوکھلا کر حکومت سے سرزد ہوئی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان حالات میں صدرِ مملکت کو ملک میں ہنگاموں کا انتظار نہیں کرنا چاہئے جن کے نتیجے میں مارشل لاء کے نفاذ کا امکان مضبوط تر ہو جائے گا۔ انہیں اپنا اختیار استعمال کر کے اسمبلیوں اور حکومتوں کو اسی طرح برخواست کر دینا چاہئے جیسے ایک بار پہلے وہ کر چکے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ صدر کو ایک بار ایسے منصفانہ انتخابات کا سہرا اپنے سر باندھنے کا سوچنا چاہئے جو نہ صرف واقعی غیر جانبدارانہ ہوں بلکہ غیر جانبدارانہ نظر بھی آئیں۔

دینی اور مذہبی جماعتوں کو مخاطب کر کے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ آپ میں سے جن کو بھی یہ خیال ہے کہ انتخابات کے ذریعے یہاں دین کی کوئی خدمت ہو سکتی ہے انہیں اب متحد ہو جانا چاہئے کیونکہ قبل ازیں سیکولر ذہن رکھنے والی جماعتوں کے ساتھ اتحاد و اشتراک نے آپ کے مقاصد کی کوئی بھی خدمت انجام نہیں دی اور آئندہ بھی اس کی کوئی امید رکھنا غیر منطقی ہے۔

(۴)

لاہور۔ ۲۷ نومبر: امیرِ تنظیمِ اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ پاکستان میں اسلام اور سیکولرزم کے درمیان کشمکش جاری ہے، لیکن چونکہ اسلام کا نام لینے والے بھی اسے اپنی زندگیوں پر نافذ کرنے پر آمادہ نہیں لہٰذا اصل مقابلہ سیکولرزم سے نہیں بلکہ منافقت سے ہے۔ انہوں نے مسجد دارالسلام باغ جناح میں اپنے خطابِ جمعہ میں کہا کہ منافقت ہی وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر وعدہ خلافی اور عہد شکنی کی پاداش میں مسلط کی گئی ہے۔ امیرِ تنظیمِ اسلامی نے خبردار کیا کہ یہ درمیانی کیفیت بھی زیادہ دیر چلنے والی نہیں اور ہمارے ملک کو کوئی ایک رخ یک سوئی سے اختیار کرنا ہوگا جو اسلام کے حق میں صرف اس صورت میں ہو سکے گا جب مذہبی جماعتیں اپنے طریقِ کار اور مقاصد کا واضح تعین کریں اور مروجہ سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے اسی انقلابی نہج پر دین کا کام کریں جس کے ذریعے قرونِ اولیٰ میں دین کو غالب کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ مذہبی جماعتوں کی طرف سے انتشارِ فکر کا مظاہرہ ہو رہا ہے اور ان کے زعماء کے ایسے بیانات پڑھنے کو ملتے ہیں جن میں سنجیدگی اور فکر کی گہرائی ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی جس کی وجہ سے پاکستان کے عوام میں دینی و مذہبی جماعتوں کی طرف سے مایوسی پیدا ہو رہی ہے۔ دوسری طرف مسلسل ناکامیوں نے ان کے اپنے کارکنوں میں بھی بددلی کے آثار ظاہر کر دیئے ہیں کیونکہ انہوں نے انتخابی حکمتِ عملی کے تحت غیر مذہبی بلکہ سیکولر جماعتوں تک سے اشتراکِ عمل کر کے بھی تاحال کوئی قابلِ ذکر کامیابی حاصل نہیں کی۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اندیشہ ظاہر کیا کہ مسلسل ناکامیوں کے نتیجے میں کارکنوں میں دین کے انقلابی فکر کی طرف سے بھی مایوسی پیدا ہو سکتی ہے اور یہ تو اب نظر ہی آنے لگا ہے کہ مذہبی تصور رکھنے والی جماعتیں بھی اپنی مصلحت کے تحت سیکولر نظامِ زندگی سے مطمئن ہیں یا اس سے سمجھوتہ کئے بیٹھی ہیں۔ انہوں نے مذہبی جماعتوں پر زور دیا کہ اسلام کے انقلابی طریقِ کار کی طرف لوٹ جائیں اور اگر یہ ان کے لئے ممکن نہ رہا ہو اور انتخابی سیاست کے میدان کو انہوں نے اپنے لئے منتخب ہی کر لیا ہے تو کم از کم آپس میں متحد ہو کر مذہب پسند ووٹوں کو تقسیم ہونے سے بچائیں، ورنہ ان کا رہا سہا بھرم بھی ختم ہو جائے گا۔

رفتارِ کار

امیرِ تنظیمِ اسلامی پاکستان کا دورۂ ملتان

زندہ دلانِ ملتان کی علمی سیرابی اور عصری مسائل پر گفتگو کی غرض سے امیرِ محترم ہر دوسرے ماہ کے دوسرے جمعہ قرآن اکیڈمی ملتان کو رونق بخشتے ہیں۔ اہلِ ملتان کی خوش بختی ہے کہ اس بار خطابِ جمعہ کے علاوہ فاران اکادمی ملتان نے ۱۲ر نومبر کی شام کو یومِ اقبال کی تقریب کے مہمانِ خصوصی کے طور پر امیرِ محترم کو دعوتِ خطاب دی۔ خطاب کا عنوان "فکرِ اقبال اور عصری تقاضے" تھا۔ اس علمی و ادبی تقریب کی صدارت جناب محمد باقر خاکوانی نے کی، جبکہ فاران اکادمی کا تعارف اور افتتاحی کلمات پروفیسر حفیظ الرحمٰن خان نے ادا کئے۔ موصوف نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد کو علامہ اقبال پر اتھارٹی اور فکرِ اقبال کے امین قرار دیتے ہوئے جن خیالات کا اظہار فرمایا ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

"فاران اکادمی، ملتان کی علمی و ادبی روایات کا اہم جزو ہے۔ اس کے مقاصد میں ادب کی زندہ، توانا اور مثبت اقدار کی ترجمانی شامل ہے۔ اقبال کے حوالہ سے اس تقریب کا انعقاد انہی مقاصد کی جانب اہم قدم ہے۔ عصرِ حاضر کے بدلتے ہوئے تناظر میں شعرِ اقبال کا مطالعہ آئندہ کے بہت سے نئے امکانات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ میرے خیال میں ڈاکٹر اسرار احمد قومی و ملی مسائل پر سوچنے والے ایسے دانشور ہیں جو شعرِ اقبال کو اپنے تفکر و تدبر کی اساس بناتے ہیں۔ ان کی تحریر و تقریر میں فکرِ اقبال کے بہت سے نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔ اسی لئے فاران اکادمی ملتان نے اس بار اقبال کی تقریب میں محترم ڈاکٹر صاحب کو "فکرِ اقبال اور عصری تقاضے" کے موضوع پر خطاب کی دعوت دی ہے۔ فاران اکادمی کے اربابِ حل و عقد محترم ڈاکٹر صاحب کے تہہ دل سے شکرگزار ہیں کہ انہوں نے ہماری دعوت کو شرفِ قبول بخشا۔"

امیرِ محترم نے علامہ اقبال کو فکرِ اسلامی کا مجدد قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ علامہ اقبال کا فکر قرآن مجید اور حدیثِ رسولؐ ہی کی ترجمانی ہے۔ علامہ ایسے عبقری انسان تھے جن کا ظہور صدیوں میں ہوتا ہے۔ یہ ملتِ اسلامیہ کی خوش بختی ہے کہ انہیں فکرِ اقبال کی صورت میں لازوال خزینۂ علم و دانش اور مخزنِ حکمت و عرفان نصیب ہوا۔ اقبال نے امتِ مسلمہ کا مرثیہ بھی کہا، مگر احیائے اسلام کی نویدِ جانفزا بھی سنائی۔ علامہ مرحوم نے جو احیائی کام انجام دیا اس کی نوعیت فکری ہے۔ رہی عملی کاوشیں تو مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس سلسلہ میں وہ کوئی آغاز بھی نہ کر سکے۔ ان کا زیادہ سے زیادہ Contribution مسلمانوں کی قومی تحریک کی سرپرستی ہے۔ البتہ مسلمانانِ ہند پر ان کا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کیا جانا چاہئے کہ وہ پاکستان کے محقق، مجوز اور مصور ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے تاریخ ساز خطبہ میں جہاں

مسلمانوں کے جداگانہ قومی تشخص کا مدلل اور فلسفیانہ اثبات کیا اور یہ پیشین گوئی کی کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقہ میں ایک آزاد مسلم ریاست کا قیام "تقدیرِ الٰہی" ہے وہاں یہ بھی فرمایا کہ اگر ایسا ہوگیا تو ہمیں موقع مل جائیگا کہ اسلام کے چہرۂ روشن پر جو تاریک پردے عرب ملوکیت کے دور میں پڑگئے تھے انہیں ہٹا کر عالمِ انسانیت کو اس کی اصل تعلیمات سے روشناس کرا سکیں۔

امیرِ محترم نے اپنے مدلل اور فکر انگیز خطاب میں فکرِ اقبال کی تعمیل پر زور دیتے ہوئے اس کا تاریخی جائزہ بھی پیش فرمایا اور کہا کہ اب یہ کام درجہ بدرجہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا۔[۱] اس امر کی وضاحت فرماتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ علامہ اقبال کے فکر و نظر سے جو احیائی جذبہ بیدار ہوا تھا اس نے مختلف پیکر اختیار کرنا شروع کئے۔ ان میں سے اولاً اہم ترین شخصیت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تھی، جنہوں نے "الہلال" اور "البلاغ" کے ذریعہ جذبۂ جہاد کو بیدار کیا اور تقلیدِ محض کے جمود کو توڑا۔ ۱۹۳۰ء میں ان کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم سامنے آئے جنہوں نے مغربی تہذیب اور اس کی جھوٹی صناعی کا پوری خود اعتمادی سے ابطال کیا اور اپنے دلنشیں اندازِ بیاں اور سلیس اسلوبِ نگارش کے ذریعے اسلامی تہذیب کے اصول و مبادی کی مدلل و مفصل وضاحت کی۔ مزید یہ کہ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام کے لئے جماعتِ اسلامی تشکیل دے کر عملی جدوجہد کی اور فکرِ اقبال کی تعمیل کا مرحلہ ثانی طے کیا۔

امیرِ محترم نے اسلام کے نظامِ عدالت اور نظامِ عدلِ اجتماعی کے فرق کو بھی واضح فرمایا اور کہا کہ اگر نظامِ اجتماعی سیاسی جبر، معاشی ظلم، اور معاشرتی اونچ نیچ پر مبنی ہو تو نظامِ عدالت اسی کی چاکری پر مجبور ہوگا۔ اچھے سے اچھا نظامِ عدالت بھی باطل و استحصالی نظامِ اجتماعی ہی کا محافظ ہوگا۔ جاگیردارانہ و سرمایہ دارانہ نظامِ ریاست میں اگر چوری کی سزا "قطعِ ید" تک بھی نافذ کردی جائے تو مال تو جاگیردار اور سرمایہ دار ہی کا محفوظ ہوگا جو اپنے ہی بھائی بندوں کا خون چوس کر مالدار بنا ہوا ہے۔

امیرِ محترم نے اپنے خطاب کے اختتام پر اپنے سامعین کو جنجھوڑا کہ خدارا جمود کو توڑیئے اور جہاں بھی دل ٹھک جائے کام میں لگ جایئے۔ محض زبانی کلامی تائید اور اسلام پسندی سے کچھ نہ ہوسکے گا۔ اسلام تو اپنے ماننے والوں سے جان و مال اور وقت و صلاحیت کا ایثار مانگتا ہے۔ امیرِ محترم نے یہ بھی واضح فرمایا کہ اگر پاکستان میں اسلام اپنی اصل اقدار کے ساتھ نہ آیا تو یہ ملک نہیں رہے گا۔ آئندہ تین چار سال فیصلہ کن ہونگے کیونکہ بین الاقوامی سطح پر تغیر و تبدل بڑی تیزی سے آرہا ہے۔ امیرِ محترم نے ملتان کی تاریخی، ثقافتی اور جغرافیائی اہمیت کو

واضح کرتے ہوئے یہاں اپنے ایک معتمد علیہ ساتھی (مختار حسین فاروقی صاحب) کی ہمہ وقتی آمد کی نوید بھی سنائی۔

راقم کے نزدیک محترم مختار حسین فاروقی صاحب کی ملتان آمد جہاں ایک نویدِ جانفزا ہے وہاں ایک بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ ملتان اور خصوصاً رفقائے تنظیمِ اسلامی کو کرِ ہمت کس لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین!

امیر محترم نے قرآن اکیڈمی ملتان میں اپنے خطابِ جمعہ میں بھی اسی موضوع پر اظہارِ خیال فرمایا۔

مرتب: (ڈاکٹر) منظور حسین

KHALID TRADERS
IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE
AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

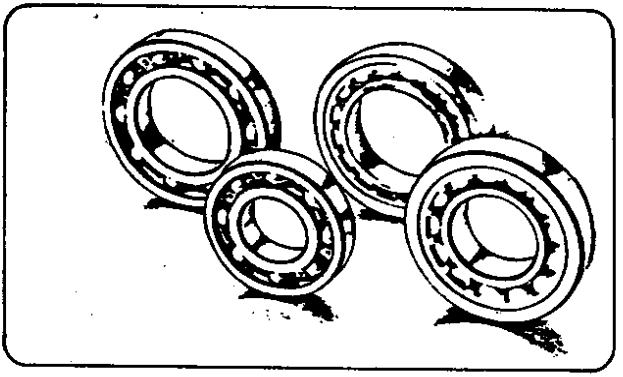

PLEASE CONTACT
TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

اشاریۂ میثاق (جلد ۴۱)

جنوری ۱۹۹۲ء سے دسمبر ۱۹۹۲ء تک شائع شدہ مضامین کی مکمل فہرست

مرتب: حافظ خالد محمود خضر

قرآنیات

اسرار احمد' ڈاکٹر

الہدیٰ (منتخب نصاب کے سلسلہ وار دروس)

مباحث جہاد فی سبیل اللہ

قسط ۷۸: انقلاب نبویؐ کا اساسی منہاج (سورۃ الجمعہ) (۵) — جنوری ۹۲ء ص ۱۰

قسط ۷۹: اعراض عن الجہاد کی پاداش: نفاق (سورۃ المنافقون) (۱) — فروری ۹۲ء ص ۹

قسط ۸۰: اعراض عن الجہاد کی پاداش: نفاق (سورۃ المنافقون) (۲) — ستمبر ۹۲ء ص ۲۷

قسط ۸۱: اعراض عن الجہاد کی پاداش: نفاق (سورۃ المنافقون) (۳) — نومبر ۹۲ء ص ۷

قسط ۸۲: اعراض عن الجہاد کی پاداش: نفاق (سورۃ المنافقون) (۴) — دسمبر ۹۲ء ص

روزے اور قرآن کا باہمی تعلق — مارچ ۹۲ء ص ۹

سورۃ العصر کی عظمت و جامعیت — جون ۹۲ء ص ۵

درس قرآن: "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" کا مفہوم (۱) — ستمبر ۹۲ء ص ۳۹

درس قرآن: "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" کا مفہوم (۲) — نومبر ۹۲ء ص ۵۵

فریضہ شہادت علی الناس' سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ کی روشنی میں (۱) — جنوری ۹۲ء ص ۱۷

فریضہ شہادت علی الناس' سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ کی روشنی میں (۲) — فروری ۹۲ء ص ۱۹

فریضہ اقامت دین' سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کی روشنی میں (۱) — جون ۹۲ء ص ۱۷

فریضہ اقامت دین' سورۃ الشوریٰ کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کی روشنی میں (۲) — جولائی ۹۲ء ص ۳۹

قاسمی' مولانا اخلاق حسین

قرآن حکیم اور لباس — اپریل ۹۲ ص ۵۱

محمد طاسین' مولانا

رزق و مال: قرآن حکیم کی روشنی میں (۱) — مارچ ۹۲ء ص ۲۵

رزق و مال: قرآن حکیم کی روشنی میں (۲) — اپریل ۹۲ء ص ۲۹

حقیقت و حکمت دین

اسرار احمد' ڈاکٹر

روزے اور قرآن کا باہمی تعلق — مارچ ۹۲ء ص ۹

یقین: روحِ سعی و عمل — اپریل ۹۲ء ص ۵

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کا مفہوم
اور اطاعت رسولؐ کے مختلف پہلو (۱) — ستمبر ۹۲ء ص ۳۹

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کا مفہوم
اور اطاعت رسولؐ کے مختلف پہلو (۲) — نومبر ۹۲ء ص ۵۵

شبیر بن نور

زیر طبع کتاب "کبائر" کا قسط وار سلسلہ

☆ پہلا کبیرہ: شرک اکبر — فروری ۹۲ ص ۴۷

☆ دوسرا کبیرہ: شرک اصغر — مارچ ۹۲ء ص ۵۱

☆ تیسرا کبیرہ: جادو کرنا — اپریل ۹۲ء ص ۲۴

☆ چوتھا کبیرہ: قتل انسان — مئی ۹۲ ص ۱۱

☆ پانچواں کبیرہ: یتیم کا مال ہضم کرنا — جون ۹۲ء ص ۳۸

☆ چھٹا کبیرہ: سودی معاملات کرنا — جولائی ۹۲ء ص ۶۶

☆ ساتواں کبیرہ: میدان جنگ سے فرار — اگست ۹۲ء ص ۵۸

☆ آٹھواں کبیرہ: پاکدامن خاتون پر زنا کی تہمت لگانا — اگست ۹۲ء ص ۶۲

☆ نواں کبیرہ: والدین کی نافرمانی — ستمبر ۹۲ء ص ۵۹

☆ دسواں کبیرہ: جھوٹ بولنا۔ جھوٹی گواہی دینا (۱) — نومبر ۹۲ء ص ۶۳

دسواں کبیرہ: جھوٹ بولنا۔ جھوٹی گواہی دینا (۲) — دسمبر ۹۲ء ص ۵۱

قاسمی' اخلاق حسین

ایک مجاہد کا خط ایک درویش کے نام — ستمبر ۹۲ء ص ۶۷

اسلامی معاشیات اور مسئلہ سود

سردار' اعوان (مترجم)

سود کے ارتقاء کا تاریخی جائزہ — فروری ۹۲ء ص ۳۴

محمد طاسین' مولانا

بیع مرابحہ اور بیع مؤجل — جنوری ۹۲ء ص ۳۳

(ادھار چیز نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت پر بیچنے کی شرعی حیثیت)

مولانا محمد طاسین کے موقف پر مولانا قاضی عبدالکریم کی تنقید

اور مولانا محمد طاسین کا جواب — مئی ۹۲ء ص ۲۶

فرائض دینی' اسلامی انقلاب اور نظام خلافت

اسرار احمد' ڈاکٹر

عہد حاضر میں نظام خلافت کے تقاضے — جنوری ۹۲ء ص ۵

(خطابات جمعہ کے پریس ریلیز)

نظام خلافت کے معاشی پہلو

کو اجاگر کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے (پریس ریلیز) — فروری ۹۲ء ص ۸

مطالبات دین:

- فریضہ شہادت علی الناس (۱) — جنوری ۹۲ء ص ۱۷
- فریضہ شہادت علی الناس (۲) — فروری ۹۲ء ص ۱۹
- فریضہ اقامت دین (۱) — جون ۹۲ء ص ۱۷
- فریضہ اقامت دین (۲) — جولائی ۹۲ء ص ۳۹

سیاست خلافت: پہلے اور اب	جولائی ۹۲ء ص ۱۱
○ اسلامی ریاست میں سیاسی جماعتوں کا کردار	
○ عہد حاضر میں اسلامی ریاست یا نظام خلافت کا دستوری خاکہ	
دینی فرائض کا جامع تصور	اگست ۹۲ء ص ۲۱
ترکی میں خلافت کا خاتمہ اور پاکستان میں اس کا احیاء	ستمبر ۹۲ء ص ۹
صرف وعظ و نصیحت اور تعلیم و تلقین یا کچھ اور بھی؟	ستمبر ۹۲ء ص ۱۸
اسلامی انقلاب، معنی و مفہوم اور اس کے لئے قرآنی و دیگر اصطلاحات	نومبر ۹۲ء ص ۱۷
اسلام کا انقلابی فکر اور اس سے انحراف کی راہیں	دسمبر ۹۲ء ص ۱۷
اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید اور علامہ اقبال	دسمبر ۹۲ء
Callphate in Pakistan What, Why and How?	اپریل ۹۲ء ص ۸۰

دعوت و تحریک

اسرار احمد، ڈاکٹر

امیر تنظیم اسلامی کا پیغام رفقائے تنظیم کے نام (سترہویں سالانہ اجتماع کا اختتامی خطاب)	جون ۹۲ء ص ۴۱
جماعت اسلامی کی تاریخ کا تیسرا اور شدید ترین بحران	اکتوبر ۹۲ء ص ۳
مولانا مودودی مرحوم اور میں:	
☆ مولانا مرحوم سے ملاقات کی شدید خواہش اور ان کی نماز جنازہ میں شمولیت	اکتوبر ۹۲ء ص ۶۳
☆ مولانا مودودی کے ساتھ میرے تعلق کا ابتدائی دور	اکتوبر ۹۲ء ص ۷۹
☆ یاد یار مہرباں آید ہے (۱)	اکتوبر ۹۲ء ص ۱۰۰
☆ یاد یار مہرباں آید ہے (۲)	نومبر ۹۲ء ص ۳۴

اقتدار احمد

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع:
اس کی ضرورت' اہمیت' افادیت — اپریل ۹۲ء ص ۱۹

ظفرالحق' قاضی

الاخوان المسلمون (۱) — اپریل ۹۲ء ص ۶۲
الاخوان المسلمون (۲) — جولائی ۹۲ء ص ۵۸
الاخوان المسلمون (۳) — دسمبر ۹۲ء ص ۵۸

ملکی' ملی وسیاسی مسائل

اسرار احمد' ڈاکٹر

خطابات جمعہ کے پریس ریلیز:

☆ عہد حاضر میں نظام خلافت کے تقاضے — جنوری ۹۲ء ص ۵
☆ سود کا مسئلہ اور ہماری حکومت کا طرز عمل — فروری ۹۲ء ص ۷
☆ نظام خلافت کے معاشی پہلو کو
اجاگر کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے — فروری ۹۲ء ص ۸
☆ ملکی وملی حالات کے بارے میں
تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کا موقف — مارچ ۹۲ء ص ۵
☆ افغانستان کی صورت حال اور ملکی وملی حالات کے بارے میں
تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کا نقطہ نظر — مئی ۹۲ ص ۵
☆ ملکی وملی حالات کے بارے میں تنظیم اسلامی
اور اس کے امیر کا نقطہ نظر — جولائی ۹۲ء ص ۶
بسلسلہ "تفکر و تذکر"
☆ مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ! — اگست ۹۲ء ص ۷
☆ تحریک پاکستان کے مثبت اور منفی محرکات — اگست ۹۲ء ص ۱۴
☆ ترکی میں خلافت کا خاتمہ اور پاکستان میں اس کا احیاء — ستمبر ۹۲ء ص ۹

☆ صرف وعظ و نصیحت اور تعلیم و تلقین یا کچھ اور بھی؟ ستمبر ۹۲ء ص ۱۸
☆ جماعت اسلامی کی تاریخ کا تیسرا اور شدید ترین بحران اکتوبر ۹۲ء ص ۳
☆ پاکستان کی قومی سیاست میں مذہبی جماعتوں کا کردار اکتوبر ۹۲ء ص ۳۳
☆ پاکستان سیکولرازم اور فنڈا منٹلزم کے فیصلہ کن دوراہے پر اکتوبر ۹۲ء ص ۴۹

افکار و آراء (مراسلات وغیرہ)

بشیر احمد
خواتین کا حق مہر فروری ۹۲ء ص ۵۸

جلال الدین احمد صدیقی
ملتان سے جناب جلال الدین احمد صدیقی کا مراسلہ نومبر ۹۲ء ص ۷۹

ساجد حمید
آف دی ریکارڈ اپریل ۹۲ء ص ۷۰

سید بخاری بر ڈاکٹر اسرار احمد
دیار مغرب سے ایک خط اور اس کا جواب مارچ ۹۲ء ص ۷۴

شمیم احمد صدیقی
اپنی خودی پہچان... فروری ۹۲ء ص ۵۳

ظفر اقبال اعوان
ملک کی داخلی صورتحال۔ ایک لمحہ فکریہ فروری ۹۲ء ص ۶۰

عبدالماجد چودھری غلام محمد
ایک خط اور اس کا جواب اگست ۹۲ء ص ۶۷

غلام فرید بھٹی
تحریک خلافت۔ وقت کی اہم ضرورت جنوری ۹۲ء ص ۷۵

قاضی عبدالقادر

کراچی سے جناب قاضی عبدالقادر کا مکتوب		نومبر ۹۲ء ص ۷۸

محبوب عالم خواجہ

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر بپا!		جنوری ۹۲ء ص ۷۷
کنتم خیر امۃ اخرجت للناس		جولائی ۹۲ء ص ۷۸

محمد زاہد الحسینی

اٹک سے مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی کا مکتوب		نومبر ۹۲ء ص ۷۷

رفتار کار و دعوتی و تنظیمی سرگرمیاں

تنظیم اسلامی لاہور شہر اور لاہور شرقی کی دعوتی سرگرمیاں		جنوری ۹۲ء ص ۵۵
ناظم حلقہ سندھ کا حیدر آباد کا ایک روزہ تنظیمی دورہ	نجیب صدیقی	جنوری ۹۲ء ص ۶۶
داعی تحریک خلافت اور ناظم تحریک خلافت کا پانچ روزہ دورۂ سرحد	اشفاق احمد میر	جنوری ۹۲ء ص ۷۰
سود کو تحفظ دینے کی سرکاری کوششوں کے خلاف تنظیم اسلامی لاہور کا احتجاجی مظاہرہ	مرزا محمد ایوب بیگ	فروری ۹۲ء ص ۴۳
امیر تنظیم اسلامی کا متحدہ عرب امارات کا دعوتی و تحریکی دورہ	محمد منیر احمد	فروری ۹۲ء ۴۹
امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ کراچی اور دو روزہ مشاورتی اجتماع	نجیب صدیقی	فروری ۹۲ء ص ۶۷
سودی معیشت کے خلاف تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام پاکستان کے طول و عرض میں احتجاجی مظاہرے		مارچ ۹۲ء ص ۶۷
ملتان میں قرآن کی فصل بہار	منظور حسین	مئی ۹۲ء ص ۴۷
دفتر تنظیم اسلامی لانڈھی کورنگی کی افتتاحی تقریب	رحیم کاشفی	مئی ۹۲ء ص ۵۰
سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی پاکستان	ڈاکٹر عبدالخالق	مئی ۹۲ء ص ۵۳

سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی بیرون پاکستان		مئی ۹۲ء ص ۷۳
سالانہ رپورٹ حلقہ خواتین تنظیم اسلامی	امت الہادی	جون ۹۲ء ص ۷۱
امیر تنظیم اسلامی کا سہ روزہ دورۂ کراچی اور تنظیم اسلامی کراچی کا اجتماع رفقاء	نجیب صدیقی	جولائی ۹۲ء ص ۷۴
تنظیم اسلامی لانڈھی کورنگی کی دعوتی و تعلیمی سرگرمیاں	رحیم کاشفی	جولائی ۹۲ء ص ۷۶
امیر تنظیم اسلامی کا دورۂ مظفر آباد اور تحریک خلافت کا جلسہ عام	عبدالقیوم قریشی	اگست ۹۲ء ص ۷۳
امیر تنظیم اسلامی کا دو روزہ دورۂ ملتان اور حلقہ جنوبی پنجاب کا علاقائی اجتماع	سعید اظہر عاصم	اگست ۹۲ء ص ۷۸
تنظیم اسلامی لاہور کے رفقاء کا قصور میں دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام	محمد ارشد	ستمبر ۹۲ء ص ۷۱
تنظیم اسلامی حلقہ شرقی پنجاب نمبر ۱ کی دعوتی و تحریکی سرگرمیاں		ستمبر ۹۲ء ص ۷۵
تنظیم اسلامی حلقہ سندھ کا سہ روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام	نجیب صدیقی	نومبر ۹۲ء ص ۶۹
ماہانہ تربیتی پروگرام جمعیتہ خدام القرآن مرکز العین (ابو ظبی)	غلام ربانی شاہ	نومبر ۹۲ء ص ۷۲
ماہانہ تربیت گاہ جمعیہ خدام القرآن ابو ظبی	ابو فاروق محمد اشرف	نومبر ۹۲ء ص ۷۴
امیر تنظیم اسلامی پاکستان کا دورۂ ملتان	(ڈاکٹر) منظور حسین	دسمبر ۹۲ء ص

عرض احوال

"عرض احوال" کے مستقل عنوان سے ادارتی مضامین حافظ عاکف سعید صاحب تحریر کرتے ہیں۔

قرآن اکیڈمی
27/16/36

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک اسکینڈی نیوین ممالک شمالی امریکہ روس اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں رُک کر دم نہیں لینے دیتی ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے۔ ایسی محنت جو کوالٹی ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سینے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد کراچی-18-پاکستان-فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (92-21)

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REGD NO. 7360
VOL.41 NO 12
DEC. 1992